کتاب تحریر المراۃ

جو

مصر کے ایک روشن ضمیر اور تعلیم یافتہ مسلمان قاسم امین کی

جدید تصنیف ہے

اُسکا

اُردو ترجمہ

حسب ایماے نواب محسن الملک بہادر مولوی رشید احمد صاحب انصاری آنرزان پرشین لینگوج لٹریچر، آنرزان عربک لینگوج لٹریچر اینڈ لا سب ایڈیٹر اخبار علیگڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ نے تمام و کمال اصل عربی کتاب سے نہایت فصاحت اور سلاست کے ساتھ اُردو میں ترجمہ کیا جو علیگڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے نمبروں میں سلسلہ وار شایع ہوا۔

مطبع مفید عام آگرہ میں باہتمام محمد قادر علیخان صوفی چھپی

سنہ ۱۹۰۳ء

کتاب تحریر المرأۃ

جو

مصر کے ایک روشن ضمیر اور تعلیم یافتہ مسلمان قاسم امین کی

جدید تصنیف ہے

اُسکا

اُردو ترجمہ

حسب ایمائے نواب محسن الملک بہادر مولوی رشید احمد صاحب انصاری آنرزان پرشین لینگویج لٹریچر، آنرزان عربک لینگویج لٹریچر اینڈ لاء سب اڈیٹر اخبار علیگڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ نے تمام وکمال اصل عربی کتاب سے نہایت فصاحت اور سلاست کے ساتھ اُردو میں ترجمہ کیا جو علیگڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے نمبروں میں سلسلہ وار شایع ھوا۔

مطبع مفید عام آگرہ میں باہتمام محمد قادر علیخان صوفی چھپی

۱۹۰۳ء



مقدمہ وہ تمام مسائل جن پر مین نے نہایت اجمال اور اختصار کے ساتھہ اس رسالہ مین بحث کی ہے اُن مین سے ہر ایک مسئلہ اس قدر وسیع اور اہم ہے کہ ایک مستقل اور جداگانہ کتاب کا موضوع بن سکتا ہے۔ مین نے قصداً اون کو اختصار کے ساتھہ بیان کیا ہے تاکہ وہ باہم مسلسل اور مربوط ہو کر ایسے معلوم ہون کہ گویا وہ ایک ہی زنجیر کے حلقے ہین۔ اس کتاب کی تالیف سے میری اصلی غرض یہہ ہے کہ مین اپنی قوم کے مصنفون کو ایسے موضوع کی طرف توجہ دلاؤن جس مین غور و فکر کرنے والون کی تعداد نہایت ہی قلیل ہے۔ اسوقت میرا یہہ مقصد نہین ہے کہ مین ایسی کتاب تالیف کرون جس مین عورت کی حالت اور نوع انسان مین جو اُس کا مرتبہ ہے، اس پر تفصیل اور استیعاب کے ساتھہ بحث کی جاسے۔ غالبًا ایسی مفصل اور مبسوط کتاب اُس وقت تالیف

ہوگی جبکہ یہہ چہوٹے چہوٹے بیج، جن کو مین نے بویا ہے، اُگینگے بڑہینگے اور پہل پہول لائینگے اور ہماری اولادون سے فائدہ اوٹہانا چاہیگی۔

جو کچہہ مین لکہہ رہا ہون، اس کے مطالعہ کرنیوالون کو غالباً معلوم ہوگا کہ قریب زمانہ مین مجہکو اپنی امیدون مین کامیابی ہونے کی توقع نہین ہے۔ اس لئے کہ ایک قوم کے نفوس کو کمال کی طرف متوجہ کرنا کوئی آسان کام نہین ہے، بلکہ اس امر مین کوشش کرنے والون کی کوششون کا اثر بہت دیر کر ہوتا ہے جس کی رفتار نہایت سست اور غیر محسوس ہوتی ہے۔ وہ ہر ایک تغیر جو کسی قوم مین پیدا ہوتا ہے، اور جس کا ثمرہ قومی حالات مین نمایان ہوتا ہے، وہ تغیر بسیط نہین ہوتا ہے، بلکہ مختلف قسم کے تغیرات کثیرہ سے مرکب ہوتا ہے، جو رفتہ رفتہ افراد قوم کے نفوس مین پیدا ہوتے ہین، اور بتدریج تمام قوم مین سرایت کرتے جاتے ہین۔ پس یہہ تغیر جو قوم کی مجموعی حالت مین ظاہر ہوتا ہے قوم کی زندگی کا ایک نیا دور ہوتا ہے۔

اِس وقت جو کچہہ ہماری حالت ہے اُسکا فوراً بدل دینا بیشک انسانی طاقت سے خارج ہے اور نہ ہمارے لئے اس مین کوئی عار ہے کہ ہم ایسی تنزل اور انحطاط کی حالت مین پیدا ہوئے، کیونکہ ہر زمانے کے مناسب جو کام ہین اونہین کی بابت سوال کیا جائیگا مگر ہان بے شک یہہ شرم کی بات ہوگی کہ ہم اپنے کمالات اور اپنی خوبیون کا خیال تمام پختہ کرکے اپنے عیوب اور نقایص کا انکار کرین اور اس بات کا دعویٰ کرین کہ ہمارے اخلاق و عادات ہر ایک زمانہ اور ہر ایک ملک کے اخلاق و عادات سے بہتر اور اعلیٰ ہین۔ یا یہہ کہ ہم حق کے مقابلہ مین ضد اور عناد سے کام لین حالانکہ وہ بالکل صاف اور بدیہی ہے، جسکے ثبوت کے لئے ہماری تصدیق اور تائید کی ضرورت نہین۔ حق کی مخالفت مین جو کچہہ

ہم کہتے یا کرتے ہین، اُس مین مطلق اثر نہین ہوتا، بلکہ اسکا ہم پر وہ اثر ہوتا ہے، جو باطل کا
اہل باطل پر اثر ہوتا ہے۔ یعنی ہمارے اور اصلاح کے درمیان ایک حجاب حائل ہو جاتا ہے
اس لیے کہ اصلاح کی طرف وہی قوم متوجہ ہو سکتی ہے، جس کو حقیقۃً یہہ شعور ہو جائے کہ
اُسکو اصلاح کی ضرورت ہے، اور پھر اس کے وسائل معلوم ہو جائین۔

غالباً مصر کے ہر ایک طالب علم کو یہہ بات معلوم ہو گی کہ ہماری قوم کو اصلاح کی
سخت ضرورت ہے، پس مین انھین طالب علمون کی طرف خطاب کرتا ہون اور کہتا ہون
کہ ہم اس زمانے مین جس درد سے تکلیف اُٹھا رہے ہین اوسکا خمیازہ اونھین کو بھگتنا
پڑیگا۔ اونکے علم و فضل اور اونکے ارادون سے یہہ بات بہت بعید ہے کہ وہ اپنے اور اپنی
قوم کے دلون پر عاجزی اور مایوسی کی مہر لگا وین کیونکہ یہہ سستی اور کاہلی کی ایک صورت نامردی
اور بزدلی کا اظہار یا اون لوگون کے حالات مین سے ایک حال ہے جن کو نہ اپنے
نفس پر اعتماد ہے اور نہ اپنے خاندان اور اپنے مذہب اور شریعت اور اپنے خدا پر بھروسہ ہے
ایسی حالت مین مین اونکو دیکھتا ہون کہ حادثات کی موجون کے مقابلہ مین اونھون نے
جی چھوڑ دیا ہے اور وہ اون کو گھاس کی طرح اوٹھا کر جہان چاہتے ہین پھینک
دیتے ہین۔

مین نے اپنی قوم کے بہت سے اصلاح طلب امور مین سے صرف ایک امر مین سلسلہ
جنبانی شروع کی ہے، اور قوم کی افراد مین سے صرف ایک جنس کی اصلاح کا بیڑا اوٹھایا ہے
جس کا قوم مین بہت بڑا اثر ہے اور جو بات میرے نزدیک حق تھی وہ ظاہر کر دی ہے
پس اگر میری راے غلط ہے تو میری نیک نیتی کا پھل مجکو ضرور ملیگا اور اگر صحیح
ہے جیسا کہ میرا خیال ہے تو اون طالب علمون پر واجب ہے کہ جو کچھہ مین نے

ان اوراق مین جمع کیا ہے اُس کی اشاعت مین کوشش کرین اور عملی طور پر اُس کی تائید کرین۔

تمہید جو لوگ حقیقت کے متلاشی ہین مین اونکی خدمت مین درخواست کرتا ہون، کہ وہ مصری عورتون کی موجودہ حالت مین میرے ساتھہ بحث کرین، مجھکو یقین ہے کہ وہ بھی آخرکار اُس نتیجہ پر پہونچین گے، جس پر مین پہونچا ہون، اور وہ یہہ ہے کہ اس مین اصلاح کی ضرورت ہے یہی وہ خیال ہے جس کو مین عرصہ دراز کے غور و فکر کے بعد شایع کرتا ہون۔ اس عرصہ مین مین اوسکو اُلٹ پلٹ کر اور تحلیل و ترکیب کر کے اس کے مختلف پہلوؤن پر غور کرتا رہا، اور جب کہ وہ اون تمام غلطیون سے جو اُسکے ساتھہ مخلوط تھین، پاک و صاف ہو کر میری فکر پر مسلط ہو گیا اور باقی تمام خیالات کو جو میرے ذہن مین موج زن تھے مغلوب و مقہور کر کے اپنی خوبیون اور نیز اپنے اظہار کی ضرورت پر مجکو متنبہ کرنے لگا، تو مین نے دیکھا کہ اب اُس کے ظاہر کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہین۔

وہ تمام مستحکم چیزین جن پر نوع انسان کی ترقی، اور اس کی آیندہ فلاح و بہبودی کا دار و مدار ہے منجملہ اُن کے یہہ عجیب و غریب قوت بھی ہے، جو انسان کو ہر ایک علمی یا اخلاقی خیال کے ظاہر کرنے پر آمادہ کرتی ہے، جبکہ وہ انسان کی عقل مین اپنی طبعی نشو و نما پر پہونچ جاتی ہے اور انسان کو یقین ہوتا ہے کہ یہہ خیال میرے ابناے جنس کی ترقی مین معاون ہوگا، اگرچہ اُس کو اپنے ذاتی نقصان پہونچنے کا یقین ہو۔ اس قوت کے جوش و خروش کا وہی شخص اندازہ کر سکتا ہے، جس کے دل مین اُسکا کبھی ظہور ہوا ہے اوسکو محسوس ہوتا ہے کہ اگر مین اس قوت کے اقتضا کی پیروی نکرونگا

اور باقی تمام قوتون کو اسکی اعانت مین مصروف نکرونگا تو وہ اُن تمام قوتون کو مغلوب و مقہور
کر کے بے جا اور ناپسندیدہ طور پر ظاہر ہوگی۔ گویا کہ وہ ایک محبوس گیس ہے جو دبانے سے
سخت ہولناک آواز پیدا کرتی ہے اور بسا اوقات گرد و پیش کی چیزون کو ہلاک اور برباد
کر دیتی ہے۔

اس کی تائید مین گذشتہ زمانے کے بے شمار دلائل بیان کئے جا سکتے ہین، کیونکہ
قومون کی تاریخین اون مناقشات اور جدال و قتال سے بھری پڑی ہین، جو ایک خیال کو
دوسرے خیال پر، اور ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دینے اور غالب کرنے
کے لئے برپا ہوئے ہین۔ اِن لڑائیون مین کبھی حق کو غلبہ ہوتا تھا اور کبھی باطل کو،
اور نیز اسلامی قومون کا بھی ابتدائی اور وسطی قرنون مین یہی حال تھا۔ اور اس سے بھی
بڑھکر مغربی ممالک مین جنگ و جدال کی قیامت برپا ہے جنکی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ انکی زندگی حق اور
باطل کے درمیان ایک دائمی جہاد ہے جسکی کسی وقت انتہا نہین ہوسکتی۔ ایک اندرونی جہاد ہے جو قوم کی افراد کے
درمیان علوم و فنون اور صنعتون اور حرفتون مین ہو رہا ہے، اور دوسرا بیرونی جہاد ہے جو قومین
ایک دوسرے کے ساتھہ کر رہی ہین، خصوصاً اس صدی مین جس مین نئی نئی ایجاد
اور اختراعات نے مسافت اور دوری کو باطل کر دیا ہے حتیٰ کہ اُن لوگون کی تعداد جنھون
نے تمام کرہ زمین پر سفر کیا ہے، ہزارون تک پہونچ گئی ہے۔ اگر کوئی مشہور اور نامور
مصنف کوئی کتاب تصنیف کرتا ہے تو وہ اثنائے طبع مین متعدد زبانون مین ترجمہ ہو جاتی
ہے اور ایک ہی وقت مین ۵ یا ٦ زبانون مین شائع ہوتی ہے۔

اس وقت صرف وہی قومین افسردگی اور پژمردگی کی حالت مین ہین جو ہماری
ہم خیال ہین۔ ہم نے اپنی عقلون سے کام لینا چھوڑ دیا ہے حتیٰ کہ اب وہ اس بنجر زمین

کی مانند ہو گئے ہین جس مین کسی قسم کی سبزی نہین اُگ سکتی - ہماری سستی اور کاہلی کی نوبت یہانتک پہونچ گئی ہے کہ ہم ہر ایک مفید خیال کو، جس سے ہمارے مذاق آشنا نہین ہین خواہ وہ قدیم مسلمانون کا مستحسن طریقہ ہو، یا زمانہ حال کی ضرورتون اور مصلحتون کے مطابق ہو، نفرت اور دشمنی کی نظر سے دیکھتے ہین -

ہماری قوم کے اکثر کاہل اور سست لوگ، جو حریف کے مقابلہ مین دلائل کے پیش کرنے سے عاجز ہین، جب اونکے سامنے کوئی حق بات کہی جاتی ہے، یا کوئی مفید خیال ظاہر کیا جاتا ہے تو وہ اوس کی تردید مین صرف یہہ کہہ دیتے ہین، کہ "یہہ اسلام مین بدعت ہے" یہہ الزام وہ صرف اس لئے لگاتے ہین کہ اُسکے سمجھنے اور غور و فکر کرنے، اور اُس پر عمل کرنے کی تکلیف سے رہائی ملے - گویا خداوند تعالی نے مسلمانون کو ایک خاص متبرک مٹی سے پیدا کیا ہے، اور اون کو نیچر کے اون تمام قوانین سے جو نوع انسان اور تمام زندہ مخلوقات پر حکمرانی کرتے ہین مستثنیٰ کر دیا ہے -

یہہ رسالہ جس کو مین آج شایع کرتا ہون غالباً اُس کی نسبت بھی بعض حضرات یہہ فتویٰ دینگے کہ "بدعت ہے" مین کہتا ہون کہ بے شک بدعت ہے، مگر اسلام مین بدعت نہین بلکہ رسم و رواج اور عادات اور معاملات مین بدعت ہے، جنکی اصلاح اور تکمیل کرنا ہر حالت مین مستحسن ہے

کس وجہ سے مسلمانون کا یہہ اعتقاد ہے کہ اُن کے اخلاق و عادات مین تغیر و تبدیل نہین ہو سکتا اور قیامت تک اون کو اپنی موجودہ عادات کی حفاظت کرنا واجب ہے؟ اور کیون وہ اسی اعتقاد کے مطابق عمل درآمد کرتے ہین؟ کیا مسلمان خدا کی فطرت کی مخالفت کر سکتے ہین جو اوسکی خلقت مین جاری اور ساری ہے؟ اوس نے تغیر و تبدیل کو

زندگی اور ترقی کی شرط قرار دیا ہے اور سکون اور انجماد کو تنزل اور موت کا پیش خیمہ ٹھیرا دیا ہے کیا عادت کے یہہ معنی نہین کہ وقت اور موقع کے مناسب اپنی معاشرت اور معاملات مین ایک خاص طریقہ کی پابندی برقرار داد ہو جائے؟ کون شخص ہے جو اسبات کے معلوم کر لینے کے بعد، کہ عادت انسانی عقل کے ثمرات مین سے ایک ثمرہ ہے، جسمین زبانون اور ملکون کے اختلاف کے لحاظ سے تغیر ہوتا رہتا ہے، یہہ تصور کر سکتا ہے کہ عادات مین تغیر و تبدل نہین ہو سکتا؟ اہل اسلام جو کرہ زمین کے مختلف ممالک مین پہیلے ہوئے ہین، کیا وہ عادات اور طرز معاشرت کے لحاظ سے متفق ہین؟ کون شخص یہہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ جس چیز کو سوڈانی پسند کرتا ہے اُسکو ترکی یا چینی یا ہندوستانی بہی مستحسن خیال کرتا ہے؟ یا یہہ کہ قصبات اور دیہات کے اکہڑ گنوارون کی کوئی عادت شہر کے مہذب اور شایستہ باشندون کی عادت کے مطابق ہو سکتی ہے؟

حقیقت یہہ ہے کہ ہر ایک قوم کے لئے ہر ایک زمانہ مین اوسکی عقلی حالت کے مناسب خاص خاص اخلاق و عادات ہوتے ہین، جو اقلیم کی آب و ہوا، باہمی میل جول مذہبی عقائد لٹریری خیالات، علمی اختراعات اور سیاسی نظامات کے زیر فرمان ہمیشہ آہستہ آہستہ اور بتدریج بدلتے رہتے ہین، اور جس قدر قوم کی عقل ترقی کی طرف حرکت کرتی ہے اوسی قدر اخلاق و عادات پر اُسکا اثر پڑتا ہے۔ اس سے یہہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دو مختلف ممالک کے باشندون کے اخلاق و عادات مین اُسی قدر فرق ہوگا جس قدر اون مین مرتبہ عقل کے لحاظ سے فرق ہے۔ یہہ ایک بدیہی بات ہے جس مین کسی قسم کے شک و شبہہ کی گنجایش نہین۔ اور اسی نسبت کے مطابق مصریون اور یورپ کے باشندون کے درمیان فرق ہوگا۔

چونکہ ہر ایک قوم کے اخلاق وعادات، اور اوس کے مرتبہ علوم اور تمدن کے درمیان کامل ارتباط ہے اسلئے ہم دیکھتے ہین کہ قومین اپنی عادات کی سب سے زیادہ مطیع اور منقاد ہوتی ہین اور اُن کے چہوڑ دینے یا اون کی مخالفت کرنے پر ہرگز قادر نہین ہوتین مگر جب قوم کے نفوس مین مرتبہ عقل کے لحاظ سے ترقی یا تنزل نمودار ہوتا ہے تو اُسکو اپنی معمولی عادات کی غلامی سے آزادی حاصل ہوتی ہے اور نیز اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ عادات تمام عوامل اور موثرات پر حتی کہ مذہب اور شریعت پر بھی غالب ہوجاتی ہیں۔ اسکی تائید اُن واقعات سے ہوتی ہے جو روزانہ ہم دیکھتے ہین، کہ ہمارے ملک مین قوم کی اصلاح کی غرض سے ہمیشہ قوانین بنائے جاتے ہین، مگر وہ عادات کی تاثیر سے فوراً مفسدہ پردازی کے جدید آلات ہوجاتے ہین۔ یہہ کوئی عجیب بات نہین کیونکہ عادت ایسی چیز ہے جو خود مذہب پر غالب ہوکر اُس کو اس طرح مسخ کردیتی ہے کہ کوئی شخص اُسکی اصلی صورت کو پہچان نہین سکتا۔

یہی وہ اصل اصول ہے جس کی بنیاد پر عورت کی ترقی یا تنزل، اور قوم کی ترقی یا تنزل مین تلازم پایا جاتا ہے، جس کو ہم بچشم خود دیکھہ رہے ہین اور نیز تاریخ سے اُس کی شہادت ملتی ہے۔ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ تمدن کے ابتدائی دور مین جب انسانی گروہ مین مجتمع ہوکر ایک جگہہ رہنے لگین تو اوس وقت عورت کی حالت غلامی کی حالت سے کچہہ اچھی نہ تہی۔ چنانچہ رومانیون اور یونانیون مین یہہ عام رواج تہا کہ عورت اول اپنے باپ کے اور پہر خاوند کے اور پہر اپنے بڑے بیٹے کی زیر حکومت رہتی تہی اور خاندان کے بزرگ کو اُس پر بالکل مالکانہ حقوق اور اختیارات حاصل تہے۔ وہ جب چاہتا تہا اُس کو بیع یا ہبہ کرسکتا تہا، اور مارڈالنے کا بہی اُس کو اختیار حاصل تہا اس کے مرنے کے بعد یہہ تمام حقوق اور اختیارات اُس کے وارث کی طرف منتقل ہوتے تہے۔ اسلام سے

پیشتر عرب مین بیٹیون کا مار ڈالنا مباح سمجھا جاتا تھا۔ اور مردون کو بغیر کسی شرعی قید کے بے شمار عورتون کے ساتھہ متعہ کرنا جائز تھا۔ افریقہ اور امریکہ کے وحشی قبائل مین ابتک بھی مردون کو یہہ اختیارات حاصل ہین۔ ایشیا کی بعض قومون کا یہہ اعتقاد ہے کہ عورت کی روح ہمیشہ باقی رہنے والی نہین ہے اور شوہر کی وفات کے بعد اُس کو زندہ رہنا ناز یبا ہے۔

یہہ تمام باتین اُن گروہون مین پائی جاتی ہین جن مین علم انتظامات کی بنیاد قایم نہین ہوئی، بلکہ اون کی تمام باتین خاندانون اور قبیلون کے تعلقات کے ساتھہ وابستہ ہین اور صرف قوت ہی ایک قانون ہے جو اون پر حکومت کرتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اُن ممالک مین بھی یہی حال ہے جو شخصی حکومت کے زیر فرمان ہین کیونکہ ان ممالک مین بھی بجاے قانون کے شخصی قوت حکمرانی کرتی ہے۔

مگر اون تمام ممالک مین جہان تمدن اور شایستگی اعلیٰ مدارج پر پہونچ گئی ہے، ہم دیکھتے ہین کہ عورتون نے اپنی گذشتہ لپست حالت سے بتدریج ترقی شروع کر دی ہے، اور اُس دور و دست فاصلہ کو جو اون کے اور مردون کے درمیان تھا آہستہ آہستہ قطع کرنے لگی ہین۔ کوئی تیز چل رہی ہے، کوئی آہستہ آہستہ قدم اُٹھا رہی ہے، کوئی دوڑ رہی ہے، غرضکہ اپنے اپنے ملک کی تمدن اور شایستگی کے مطابق تمام ممالک کی عورتین ترقی کر رہی ہین چنانچہ سب سے پہلے جماعت مین امریکین عورتین ہین اسکے بعد انگریزی اور پھر جرمن اور پھر فرانسیسی اور اسٹرین اور پھر اٹالین اور رشین عورتین ہین۔ اُنھون نے معلوم کر لیا ہے کہ وہ بھی آزادی اور استقلال کی مستحق ہین اسلئے وہ اپنے مقصد کے حاصل کرنے اور اوسکے وسائل مہیا کرنے مین مصروف ہین۔ اُنھون نے معلوم کر لیا ہے کہ وہ بھی نوع انسان مین داخل ہین اور اسلئے وہ اُن تمام حقوق کا جو انسان

کو حاصل ہیں مطالبہ کرتی ہیں۔

مغربی لوگ جو تمام عمدہ اور مفید باتوں کو اپنے مذہب کی طرف منسوب کرنا پسند کرتے ہیں اونکا خیال ہے کہ یورپ کی عورتوں کو صرف عیسائی مذہب کی مساعدت سے ترقی اور آزادی حاصل ہوئی ہے، حالانکہ یہہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ مذہب عیسوی نے کوئی ایسا نظام مرتب نہیں کیا جو عورتوں کی آزادی پر مشتمل ہو۔ نہ اُس نے عورتوں کے حقوق کی نسبت خاص یا عام احکام بیان کئے ہیں اور نہ اس بارہ میں اپنے پیروؤں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے کچھہ اصول قرار دئے ہیں۔ عیسائی مذہب جس قوم میں داخل ہوا ہے، اُس کے اخلاق پر کسی قسم کا کوئی اثر نہیں ڈالا، بلکہ جو کچھہ قوم کے اخلاق و عادات ہوتے تھے خود مذہب اُنہیں کے سانچے میں ڈہل جاتا تہا۔ بہر حال اگر کسی مذہب کو اخلاق و عادات پر تسلط ہوتا تو آج مسلمان عورتیں روے زمین کی عورتوں کی نسبت ترقی اور آزادی میں پیش قدم ہوتیں۔

مذہب اسلام نے عورتوں اور مردوں میں مساوات قرار دیکر تمام مذہبوں اور شریعتوں پر سبقت کی۔ اُس نے ایسے وقت اُن کی آزادی اور استقلال اور خود مختاری کو علی الاعلان بیان کیا، جبکہ وہ تمام قوموں میں نہایت پستی اور انحطاط کی حالت میں تہیں۔ اُس کو تمام انسانی حقوق عطا کئے جو مردوں کو حاصل تہے اور خرید و فروخت اور ہبہ اور وصیت وغیرہ تمام کاروبار اور معاملات میں بالکل مرد کے برابر اس کے حقوق کو تسلیم کیا۔ وہ اپنے شوہر اور باپ کی اجازت کے بغیر اپنے معاملات طے کر سکتی ہے۔ اسلامی شریعت کے عطا کئے ہوئے یہہ حقوق، جو آج تک بہی تمام و کمال یورپ کی بعض عورتوں کو بہی حاصل نہیں ہوئے ہیں، اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ عورت کا احترام اور

مردون کے ساتھہ اوسکی مساوات قایم کرنا اسلامی شریعت کے اصول مین داخل ہے بلکہ ہماری شریعت نے عورتون کے ساتھہ نہایت نرمی اور رعایت برتی ہے - اور خانگی کاروبار اور گھر کا خرچ حتی کہ اولاد کی پرورش کا بار بھی اُنکے ذمہ نہین ڈالا - حالانکہ یورپ کے بعض قوانین مین فرایض کے لحاظ سے تو دونون مین مساوات قایم رکھی گئی ہے - مگر حقوق کے لحاظ سے مردون کو عورتون پر ترجیح دی گئی ہے -

عورتون اور مردون کے حقوق کی مساوات کی طرف شریعت اسلام کا میلان ظاہر ہے، حتی کہ فسخ نکاح کے مسئلہ مین بھی اُس کو ایسے طریقے بتلائے گئے ہین، جو ہر طرح قابل وقعت ہین، اور جن کی نسبت ہم آگے چل کر گفتگو کرینگے - اس مسئلہ کی نسبت جو اہل یورپ کے توہمات یا بعض مسلمانون کے خیالات ہین وہ بالکل بے اصل ہین -

مجھکو صرف ایک مسئلہ معلوم ہے جس مین مردون کو عورتون پر امتیاز اور خصوصیت عطا کی گئی ہے اور وہ مسئلہ تعدد ازدواج ہے - اسکا سبب ظاہر ہے جو مسئلہ نسب سے تعلق رکھتا ہے - یہہ ایک ایسا اہم مسئلہ ہے جس کے بغیر عقد نکاح کی ہستی باقی نہین رہ سکتی - اسکی نسبت بھی ہم عنقریب گفتگو کرینگے - غرض کہ مذہب اسلام کے احکام اور اوس کے مقاصد مین کوئی ایسی بات نہین پائی جاتی جسکی طرف مسلمان عورتون کا انحطاط منسوب ہو سکے بلکہ اسکے برخلاف اوس نے عورتون کو سوسیٹی مین عزت اور احترام کا ایک اعلی درجہ عطا کیا ہے -

مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ اس مقدس مذہب پر ایسے اخلاق و عادات مسلط ہو گئے، جو اون قومون کے ساتھہ میل جول سے ہمکو حاصل ہوئے تھے جن مین مذہب اسلام کی اشاعت ہوئی تھی، اور جو اپنے عادات اور خیالات اور اوہام کو لئے ہوئے

اسلام مین داخل ہوئی تھین - اون قومون کا علم اس درجہ کا نہین تہا کہ عورت کو اُس مقام اور مرتبہ پر پہونچا وے، جو شریعت نے اوسکے لئے مقرر کیا ہے - اِن اخلاق و عادات کی بدستور باقی رہنے کی بڑی وجہ یہہ بہی ہوئی کہ ہم کو پے در پے شخصی حکومتون کے زیر فرمان رہنا پڑا۔

مختلف ملکون اور مختلف زمانون مین اسلامی جماعتین نظامات سیاسی سے محروم رہین، جن سے حاکم اور محکوم کے حقوق کی تحدید ہوتی ہے اور رعایا کو اس بات کا حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اعتدال کی حدود پر قایم رہ کر جو قانون نے اُس کے لئے مقرر کئے ہین، اپنے حقوق کا مطالبہ کرے - بلکہ اسلامی حکومتون نے رفتہ رفتہ شخصی حکومتونکی شکل اختیار کر لی تہی - بادشاہ اور اوس کے اعوان و انصار کو پورا اختیار اور اقتدار حاصل تہا - وہ جسطرح چاہتے تہے بلا روک ٹوک اور بغیر کسی کے مشورہ کے سلطنت کے معاملات انجام دیتے تہے اور ملکی اور انتظامی کاروبار مین رعایا کی آواز بالکل نہین سُنی جاتی تہی -

ہان بے شک حاکم کو خواہ وہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ عدل و انصاف کی پیروی کرنا اور ظلم سے بچنا لازم سمجہا جاتا تہا لیکن متواتر تجربہ سے یہہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ غیر محدود تسلط اور اقتدار کا انجام جبکہ اوسکی کوئی حد مقرر نہ ہو اور نہ کسی نکتہ چینی کا خوف ہو اور نہ کوئی جماعت اوسکی نگرانی کرنے والی ہو، اچہا نہین ہوتا اور وہ غیر محدود تسلط اور اقتدار بے جا طور پر استعمال کیا جاتا ہے - یہی وجہ ہے کہ اسلامی قومون کو شخصی اور جابرانہ حکمتون کے زیر فرمان صدیان گذر گئی ہین، حاکمون اور بادشاہون نے انتظام ملک داری مین بالکل اپنی خواہشات کی پیروی کی اور اوسکو ایک کہیل سمجہہ کر بری طرح اُس مین تصرف کیا، بلکہ

اکثر اوقات مین خود مذہب کے ساتھہ بھی تمسخر کیا گیا۔ ان حاکمون اور بادشاہون مین بہت ہی قلیل تعداد ہے جو مستثنیٰ ہو سکتی ہے اور جو بمقابلہ اکثر کے قابل ذکر بھی نہین معلوم ہوتی

جب کسی قوم پر شخصی اور بے قید حکومت مسلط ہوتی ہے تو اوس کا اثر صرف حاکم اعلیٰ ہی تک محدود نہین رہتا، بلکہ حاکم اعلیٰ کی ذات سے تجاوز کر کے اوس کے گرد و پیش کے لوگون مین سرایت کرتا ہے اور پھر بتدریج وبائی مرض کی طرح تمام قوم مین پہیل جاتا ہے اور ہر ایک زبردست کا جب کبھی قابو چلتا ہے، فوراً زیردست کو دبانا چاہتا ہے۔ حاکم اعلیٰ اس کو پسند کرے یا ناپسند کرے مگر یہہ حالت بہرکیف تمام افراد قوم کے نفوس مین سرایت کر جاتی ہے۔

اِن شخصی اور بے قید حکومتون کا یہہ اثر ہوا کہ مرد چونکہ زبردست تھا اوس نے عورت کو ضعیف اور کمزور مخلوق سمجھکر اُسکی تحقیر اور توہین کرنا شروع کی۔ شاید اس کا یہہ سبب ہو کہ جو قوم بے قید حکومت کے زیر فرمان رہتی ہے اس پر سب سے پہلا اثر یہہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کے اخلاق و عادات فاسد ہو جاتے ہین۔

ممکن ہے کہ کسی شخص کو یہہ شبہہ ہو کہ مظلوم شخص عدل و انصاف کو پسند کرتا ہے اور چونکہ وہ ظلم و ستم کی تکلیفات اوٹھاتا ہے اسلئے شفقت کی طرف اُس کا میلان ہوتا ہے۔ مگر مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم قوم کا اخلاقی مطلع ہرگز صاف نہین رہتا اور نہ اوسکی سرزمین مین عمدہ اور پاکیزہ اخلاق کی نباتات پیدا ہوتی ہے بلکہ اُس مین صرف بداخلاقیون اور رذیل اور کمینہ خصلتون کی نشو و نما ہوتی ہے۔ مصر کے وہ اشخاص جنہون نے گذشتہ بے قید حکومتون کا زمانہ دیکھا ہے، جسکو کچھہ زیادہ عرصہ نہین ہوا اون کو معلوم ہے کہ قانون کے مقدم سے اگر دس اشرفیان لی جاتی تھین تو وہ اُسکے

معاوضہ مین گانون والون سے سو اشرفیان وصول کرتا تھا۔ اسی طرح اگر کسی مقدم یا پٹیل کو دس بیدین لگوائی جاتی تھین تو وہ اپنے گانون مین اگر سو کاشتکارون سے اس کا انتقام لیتا تھا۔

ایسی حالت مین ایک طبعی بات ہے کہ انسان صرف قوت کا احترام کرتا اور اوسی کے سامنے سر جھکاتا ہے۔ مگر چونکہ عورت کمزور تھی اس لئے مرد نے اُس کے تمام حقوق پامال کر ڈالے اور نہایت تحقیر اور توہین کے ساتھ اُس سے برتاؤ کرنے لگا۔ خاندان مین ہر درجہ اور ہر طبقہ کی عورتین یعنی بی بیان اور مائین اور لڑکیان نہایت پستی اور انحطاط کی حالت مین زندگی بسر کرتی ہین، نہ اونکی کوئی عزت اور اعتبار ہے اور نہ اونکی کوئی ذاتی رائے مانی جاتی ہے وہ صرف مردون کی مطیع و فرمان بردار ہین اور اس اطاعت کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ مرد ہین اور یہہ عورتین ہین۔ مردون کی ہستی کے مقابلہ مین اونھون نے اپنی ہستی کو فنا کر دیا ہے اور تمام مخلوقات اور کائنات مین سے صرف گھر کی چار دیواری اونکی قسمت مین لکھی گئی ہے، جس مین وہ محبوس اور جہالت اور تاریکی کے پردون مین مخفی رہتی ہین۔ مرد اون کو بطور سامان التذاذ کے استعمال کرتے ہین اور جب چاہتے ہین اون کے ساتھ لہو و لعب مین مشغول ہوتے ہین مردون کے لئے آزادی ہے اور عورتون کے لئے غلامی، اونکے لئے علم اور اِنکے لیے جہالت اُنکے لیے عقل اور اِنکے لیے حماقت اُنکے لئے امر و نہی اور اِنکے لئے اطاعت اور صبر، غرضکہ اُن کے لئے دنیا کی تمام چیزین ہین اور منجملہ اونکے عورتین بھی ہین جن کے وہ مالک ہین۔

یہہ بھی عورت کی تحقیر ہے کہ مرد گوری یا کالی لونڈیون سے اپنا گھر بھر لیتا ہے، یا

متعددبی بیان کرلیتا ہے اور خواہش نفسانی کا مطیع ومنقاد ہوکر عیش پرستی اور حصول التذاذ مین مستغرق اور منہمک ہو جاتا ہے، مگر میانہ روی اور عدل وانصاف جس کو مذہب نے فرض کیا ہے اُس کی بالکل پروانہین کرتا۔

یہہ بہی عورت کی تحقیر ہے کہ شوہر اپنی عورت کو بے سبب طلاق دیدیتا ہے۔

یہہ بہی عورت کی تحقیر ہے کہ اول مرد دسترخوان پر بیٹہکر تنہا کہانا کہاتا ہے اور اوسکے بعد گہر کی تمام عورتین مان بہن اور زوجہ سب جمع ہوکر اُسکا بچا ہوا کہانا کہاتی ہین۔

یہہ بہی عورت کی تحقیر ہے کہ اوسکی آبرو کی حفاظت کے لئے کوئی خادم یا آغا بطور نگہبان کے مقرر کیا جاتا ہے اور جہان کہین وہ جاتی ہے سایہ کی طرح اوس کے ساتہہ ساتہہ جاتا ہے۔

یہہ بہی عورت کی تحقیر ہے کہ مرد علی الاعلان کہتے ہین کہ عورتون کی امانت داری پر ہرگز بہروسہ نہ کرنا چاہیئے۔

یہہ بہی عورت کی تحقیر ہے کہ اُسکو عام زندگی اور اون تمام کامون سے جو اُس کے متعلق ہین روکا جاتا ہے۔ نہ معاملات مین اوسکی کوئی رائے ہے اور نہ فنون مین اُسکو مذاق ہے، اور نہ مذہبی اعتقادات مین اوسکو کچہہ دخل ہے، اور نہ قومی اور مذہبی شعور اور احساس سے اوسکو کچہہ علاقہ ہے۔

اگر یہہ کہا جائے کہ چند سال پیشتر مصر مین عورتون کی یہی حالت تہی، جو اوپر بیان کی گئی تو اس مین کچہہ مبالغہ نہین ہے۔ گذشتہ چند سال مین چونکہ حکمرانی کرنے والی قوت کسی قدر اعتدال کے درجہ پر پہونچ گئی، اور اہل مصر عقلی اور دماغی ترقی سے بہرہ یاب ہوئے اس وجہ سے مردون کو جو تسلط اور اقتدار عورتون پر حاصل تہا، اوس مین بہی کسی قدر کمی

ہو گئی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہین کہ عورتین بہی اپنے ضروری کاروبار کے لئے اپنے گہرونکی چار دیواری سے نکلنے لگی ہین، اور سیر و تفریح اور ہوا خوری اور مظاہر قدرت کے دیکھنے کیلئے عام سیرگاہون مین آنے جانے لگی ہین۔ بہت سی عورتین اپنے شوہرون کے ساتہہ اجنبی ممالک مین سیر و سیاحت کی غرض سے جاتی ہین، اور بہت سے روشن خیال مردون نے اپنی عورتون کو خانگی زندگی مین ایک مناسب درجہ عطا کیا ہے۔

ان امور کا صرف یہی باعث ہے کہ بعض مردون کو اپنی عورتون پر بہروسہ اور اونکی امانت داری پر اطمینان حاصل ہو گیا ہے۔ یہہ عورتون کے لئے ایک نئی عزت ہے جو ان کو دی گئی ہے۔

بے شک اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ یہہ تغیر و تبدل جو بالفعل مصری عورتون کی حالت مین نمودار ہوا ہے، اعتراض اور نکتہ چینی سے محفوظ نہین رہ سکتا۔ مگر اس نکتہ چینی کا باعث نفس تغیر نہین ہے بلکہ اس کے گرد و پیش کے حالات ہین، جنکی بنیاد پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے اور منجملہ اون حالات کے تربیت کا نقص اور پردہ کی رسم کا استحکام ہے، جو قوم کی بہت بڑی جماعت مین جاری ہے۔ پس اگر عورتون کی ذہنی اور اخلاقی تربیت درجہ تکمیل کو پہونچ جائے اور پردہ کو معتدل بنا کر اُس حد پر لایا جای جو اکثر اسلامی مذاہب مین مقرر کی گئی ہے، تو یہہ اعتراضات اور نکتہ چینیان رفع ہو سکتی ہین اور قوم اپنی تمام افراد، عورتون اور مردون سے فائدہ اُٹھا سکتی ہے۔

عورتین بہی مردون کی طرح انسان کی جنس مین داخل ہین۔ اگر دونون کی جسمانی ترکیب پر غور کرو تو صاف معلوم ہوگا کہ اعضا، حواس، عقل و فکر، جذبات و خیالات اور اون تمام باتون کے لحاظ سے جو انسان ہونے کے لئے درکار ہین دونون مین کوئی

فرق نہین ہے۔

موجودہ حالت مین جسمانی اور روحانی قوتون کے لحاظ سے مردون کو عورتون پر جو فضیلت اور فوقیت حاصل ہے، اُسکا سبب یہہ ہے کہ مرد ہزارون برس سے علمی اور عملی ترقیون کے میدان مین برابر دوڑتا رہا ہے اور عورت ان قوتون کے استعمال سے محروم رہی ہے۔ اور ایسی پست حالت مین رہنے پر مجبور کیگئی ہے جو بلحاظ مختلف زمانون اور ملکون کے مختلف رہی ہے۔

بہت سے لوگون کا یہہ خیال آجتک قایم ہے کہ عورتون کو تعلیم و تربیت دینی ضروری نہین ہے۔ بلکہ بہت سے لوگ آپس مین سوال کرتے ہین کہ عورتون کو لکھنا پڑہنا شرع کی روسے جائز ہے یا قطعاً حرام ہے؟

مجھے خوب یاد ہے کہ مین نے ایک دفعہ ایک شخص کو سمجھایا کہ وہ اپنی لڑکی کو تعلیم دے جسکی عمر نو برس کی تھی اور جس مین حسن وجمال کے ساتھہ ذہنی قابلیت کی چمک دمک بھی پائی جاتی تھی۔ اُس نے ناک بھون چڑہاکر کہا کہ آخر آپ کا مطلب کیا ہے؟ کیا آپ چاہتے ہین کہ اُسکو سرکاری ملازمت مین داخل کیا جاے؟

مین نے کہا تو کیا آپ کے نزدیک صرف وہی لوگ تعلیم پانے کا حق رکہتے ہین جو سرکاری ملازمت کرنا چاہیں؟ اُس نے کہا مین تو خانگی انتظام کے سوا کسی چیز کی تعلیم دینا پسند نہین کرتا۔

یہہ بات اوس نے ایسے لہجے مین کہی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی راے پر کسی نکتہ چینی کا روادار نہین ہے۔ یہ ظالم باپ خانگی انتظام کے لفظ سے یہی معنی مراد لیتا تہا کہ اوسکی لڑکی کو معمولی طور پر کچھہ سینا، پرونا، کھانا پکانا آجاے اور بس۔ اس مین

شک نہین کہ یہہ تعلیم بہی لڑکیون کے لئے مفید بلکہ لازمی ہے مگر مین بلا خوف تردید کے بہ آواز بلند کہتا ہون کہ اوس کی راے غلط اور اوسکا خیال نادرست تہا کیونکہ جس لڑکی کی اتنی ہی معلومات ہون وہ گہر کا انتظام ٹہیک نہین کر سکتی۔

میری راے مین کوئی عورت گہر کا انتظام نہین کر سکتی جب تک کہ اوسکو عقلی اور اخلاقی علوم مین ایک خاص حد تک دستگاہ نہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ اوسکو ابتدا مین کم سے کم اتنی تعلیم دیجاے جتنی کہ لڑکون کو ابتدائی تعلیم دیجاتی ہے۔ تاکہ علوم کی ابتدائی باتین اوسکو معلوم ہوجائین اور وہ جب کبہی چاہے اپنے مذاق کے موافق کسی علم کو پسند کر سکے اور اوسکو درجۂ کمال پر پہونچا سکے۔

اگر عورتون کو لکہنا پڑہنا آجاے اور وہ علمی اصولون پر مطلع ہوجائین۔ دنیا کے جغرافیے اور قومون کی تاریخ سے آگاہی حاصل کرین۔ ہیئت اور طبیعیات پر بہی کچہہ کچہہ اُن کو عبور ہوجائے۔ مذہبی عقاید اور مذہبی مسائل سے بہی بے خبر نہ رہین تو اُن کے دماغ اس قابل ہوجائینگے کہ وہ صحیح راے کو تسلیم کر سکین اور اوہام کا مقابلہ کر سکین جنہون نے اونکی عقلی زندگی کو برباد کر دیا ہے۔

جو لوگ عورتون کی تربیت کرنا چاہین اون پر فرض ہے کہ بچپن سے اونکو ایسے عمدہ اور پاکیزہ اخلاق کا خوگر کرین جن کا اثر انسانکی ذات پر، خاندان کے لوگون پر اور تمام قوم پر ہوتا ہے تاکہ وہ اخلاق رفتہ رفتہ اون کے دل مین جگہہ پکڑین اور اونکا نقش گہرا بن جاے یہہ مطلب زبانی ہدایتون کے سننے اور عمدہ اور نیک مثالون کے دیکہنے سے حاصل ہوسکتا ہے۔

یہہ وہ تربیت ہے جس کی نسبت میری دلی آرزو ہے کہ وہ مصری عورتون کو حاصل ہو۔ اگرچہ مین نے اسکی طرف مجمل اشارہ کیا ہے مگر اس موضوع پر اکثر زبانون مین کتابین لکھی گئی ہین۔ مین ایک منٹ کے لئے بھی خیال نہین کرسکتا کہ کوئی عورت بغیر اس تربیت کے اُن فرائض کو ادا کرسکتی ہے جو قومی اور خانگی لحاظ سے اُس کی گردن پر ڈالے گئے ہین۔

ہر شہر مین عورتین کم سے کم نصف آبادی کے برابر ہین۔ اونکے جاہل رہنے کا یہی نتیجہ ہے کہ قوم کے آدہے افراد کے کام کرنے سے جو فائدے پہونچ سکتے ہین اون سے قوم بالکل محروم ہے اور صریح طور پر ہم کو نقصان عظیم برداشت کرنا پڑتا ہے مصری عورتون کو کوئی امر اس بات سے مانع نہین ہے کہ وہ یورپ کی عورتونکی طرح علوم اور فنون لطیفہ (Beaux arts.) تجارت اور صنعت و حرفت مین مشغول ہون۔ عدم تربیت اور جہالت کی جو تاریکی عام طور پر چہائی ہوئی ہے وہی ایک سبب مصری عورتون کی ترقی نہ کرنے کا ہے۔ اگر ہم اونکا ہاتھہ پکڑکر اون کو زندون کے مجمع مین لائین۔ زندون کے سے کام کرنا سکہائین۔ اونکی جسمانی اور عقلی قوتون مین جنبش پیدا کرین تو وہ بہی مردون کی طرح جاندار اور کام کرنے والی نظر آئین۔ وہ جسقدر قوم کی دولت کو برباد کرتی ہین اُسی قدر پیدا کرنے لگین اور دوسرون کے سہارے اور امداد پر زندگی بسر کرنا چہوڑ دین اس سے ملک کی علم و دولت کو ترقی ہوگی اور قوم کی دماغی قابلیتین معراج کمال پر پہونچ جائینگی۔

ہماری مثال آج کل ایسی ہے جیسے کوئی شخص مال کثیر پیدا کرے اور اوسکو صندوقون مین بند کرکے رکہہ چہوڑے اور ہر روز صندوق کہول کر سونے اور چاندی کو دیکہا کرے

اگر وہ پولٹیکل اکانومی سے واقف ہوتا تو اُس دولت کو استعمال مین لاتا اور اوس سے نفع اوٹہاتا اور چند ہی سال مین اوسکو دو چند دیکھتا۔

سب سے بڑا سبب قوم کی پستی اور تباہی کا یہہ ہی کہ اوسکے افراد کا بہت بڑا حصہ عضو معطل اور بیکار اور قوم کے ذمہ بار ہو۔ وہ اپنی ضروریات زندگی کے لئے کوئی کام نہ کرتے ہون۔ اور اگر کوئی کام کرین تو مثل ایک بے زبان جانور، یا بے شعور کل کے یہہ بھی نہ جانتے ہون کہ وہ کیا کرتے ہین اور اوسکا نتیجہ کیا ہوگا۔

عورتین تعلیم کی محتاج ہین تاکہ وہ سوچنے سمجھنے والے آدمیون کے گروہ مین داخل ہوسکین۔ ہماری قوم مین عورتون کی حالت اسقدر زبون اور پست ہوگئی ہے کہ جب ہم عورت کا تصور کرتے ہین تو اوسکے ساتھہ ہی یہہ خیال بھی ہمارے ذہنون مین گذرنا لازمی ہے کہ اُس کا کوئی ولی اور سرپرست ہو جو اوسکی حاجتون کو پورا کردے اور اوسکی ضرورتون اور خواہشون کو انجام دے۔ گویا ولی اور سرپرست کا ہونا ایک ایسا امر ہے جو ہر حال مین ضروری ہے۔ حالانکہ واقعات بتاتے ہین کہ بہت سی عورتون کے لئے کوئی ولی اور سرپرست نہین ہوتا۔ وہ لڑکی جس کے رشتہ دار غایب ہون اور اوسکا نکاح نہوا ہو وہ عورت جسکو طلاق دی گئی ہو، وہ عورت جس کا شوہر دنیا سے گذر گیا ہو، وہ ماں جسکی اولاد مین کوئی لڑکا نہو، اور اگر ہو تو کم سن اور نابالغ ہو، یہہ سب صورتین ایسی ہین جن مین عورتون کا تعلیم یافتہ ہونا نہایت ضروری ہے تاکہ وہ اپنے اور اپنی اولاد کے لئے (اگر اولاد ہو) معاش پیدا کرسکین۔ اگر وہ تعلیم یافتہ نہ ہونگی تو وہ معاش کے ناجائز ذریعے اختیار کرینگی یا اونکو کسی فیاض خاندان کے سہارے پر زندگی بسر کرنی ہوگی۔

اگر ہم اوس تحریک کو تلاش کرین جس سے رات کی تاریکی مین بیکس اور نادار عورتونکو

شیطان سیرت نوجوانون کے جذبات کا شکار ہونا پڑتا ہے تو ہمکو معلوم ہوگا کہ اکثر صورتون مین اس ذلت کے قبول کرنے کا باعث لذائذ نفسانی کے حاصل کرنے کی اُمنگ نہین ہے بلکہ وہی چیز ہے جس کی نسبت مولانا روم فرماتے ہین ؎

آنکہ شیران را کند روبہ مزاج	احتیاج است احتیاج است احتیاج

مصر مین کوئی خاندان ایسا نہین ہے جس کے ذمہ بہت سی اُن عورتون کا نان ونفقہ نہ ہو جو زمانہ کی گردش سے مفلس ہوگئی ہین اور اپنی معاش کے لئے کوئی کام کرنا نہین جانتین۔

پس یہہ کہنا کچھہ بیجا نہ ہوگا کہ اکثر خاندان اسی باعث سے کفایت شعاری کے پابند نہین رہ سکتے۔

یہی سبب ہے کہ اکثر خاندانون کی مالی حالت اچھی نہین ہے۔ مصر کے ایک باشندے کو جو اپنی ذات کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے محنت کرتا ہے، اپنی کمائی کا ایک حصہ اپنے رشتہ دارون، یا دوستون، یا ایسے شخصون پر صرف کرنا پڑتا ہے جن سے اسکا کوئی تعلق نہین ہے۔ انسانی ہمدردی اوسکو مجبور کرتی ہے کہ اپنی کمائی مین سے تھوڑا سا روپیہ اُن لوگون پر بھی صرف کرتا رہے تاکہ وہ بھوک سے مرنے نہ پائین مگر وہ یہی سمجھتے ہین کہ ہمارا حق اسکی گردن پر ہے اور وہ اسی حق کو پورا کرتا ہے۔ یہہ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی محنت کرکے معاش پیدا کرین مگر مشکل یہہ ہے کہ وہ اون قوتون کا استعمال کرنا نہین جانتے جو قدرت نے اونکو عطا کی ہین۔ اور اس کا باعث صرف یہی ہے کہ وہ تربیت سے محروم ہین۔

اگر یہہ فرض کرلیا جائے کہ کسی عورت کا شوہر یا سرپرست موجود ہے جو اپنی کمائی

سے اوس کو مدد دے سکتا ہے تاہم یہہ کون کہہ سکتا ہے کہ اوسکو تربیت کی کوئی ضرورت نہین ہے۔ کیونکہ اگر عورت تربیت یافتہ ہو تو وہ اپنے شوہر یا سرپرست کی مدد کر سکتی ہے، اگر وہ محتاج ہو یا اُس کے بوجھہ کو ہلکا کر سکتی ہے، اگر وہ مالدار ہو۔

اگر عورت بذات خود مالدار ہو (اگرچہ ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے) اور اوسکے پاس جائداد ہو تو کیا اوس جائداد کا انتظام کرنے اور اپنی دولت کو محفوظ رکھنے اور اوسکی ترقی دینے کے لئے اوسکو تعلیم کی ضرورت نہین ہو گی۔؟

ہم دیکھتے ہین کہ بہت سی عورتین اپنا روپیہ کیسی رشتہ دار یا غیر آدمی کو سپرد کر دینے پر مجبور ہوتی ہین، اور اونکو اپنے معاملات مین مختار کر دیتی ہین۔ یہہ مختار بہ نسبت اُنکے معاملات کے اپنے کامون مین زیادہ مشغول رہتے ہین۔ اور اون جائدادون کی پروا نہین کرتے جن کا اون کو مختار تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ مختار چند روز مین مالدار ہو جاتے ہین اور صاحب جائداد عورتین افلاس مین مبتلا ہو جاتی ہین۔

ہم دیکھتے ہین کہ عورتین حساب کی فرد یا دستاویز یا اقرارنامے کا مطلب نہین سمجھتین اور نہین جانتین کہ اون مین کیا لکھا ہے اور اون پر بجائے دستخط کے اپنی مہر ثبت کرتی ہین۔ اور شوہر یا رشتہ دار یا مختار کی چالاکی اور مکاری سے اپنے قانونی حقوق سے محروم ہو جاتی ہین۔ اگر وہ پڑھی لکھی ہوتین تو ایسا واقعہ ظہور مین نہین آسکتا تھا۔

بہر حال تعلیم بذات خود ایک ایسی چیز ہے جسکی ہر حال مین ضرورت ہے کیونکہ وہ آجکل انسانی زندگی کی ضروریات مین شامل ہو گئی ہے۔ اور جس قوم مین تمدن اور شائستگی نے قدم رکھا ہے اوسکی سب سے مقدم ضرورت ہے۔ علم ہی وہ اعلیٰ مقصد ہے

جسکے لئے ہر انسان دوڑ دہوپ مین ہے۔ اور اوسی پر روحانی اور جسمانی ترقیون کا مدار ہے۔

تنہا علم ہی اس بات کا ذریعہ ہے کہ انسان پستی او تنزل کے درجے سے گذر کر فضیلت اور شرافت کے بلند مرتبہ تک ترقی کرے۔ اور ہر انسان کو قدرتی حق ہے کہ وہ اپنی فطرتی قوتون کو اُس حدتک پہونچائے جہان تک اوسکی قابلیت اجازت دے۔

تمام ربانی شریعتون اور انسانی قوانین مردون اور عورتون سے یکسان طور پر خطاب کرتے ہین۔ فنون لطیفہ (Fine arts) فلسفہ عالیہ۔ ایجادات و اختراعات کا دروازہ ہر عورت کے لئے اوسی طرح کُھلا ہے جسطرح مردون کے لئے۔ کون انسان ہے جو علوم و فنون کے مطالعہ کا شوق نہ رکھتا ہو۔ اور دنیا و آخرت کی کامیابی اور حقایق کا سُراغ لگانے کے لئے قدرت کے خزانون سے مستفید ہونا نہ چاہتا ہو؟ یہہ اُمنگ جو قدرتی طور سے ہر انسان کے دل مین اوٹھتی ہے اُسکے لحاظ سے مرد اور عورت مین کیا فرق ہے؟ بچون کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی نئی چیز اونکی آنکھہ کے سامنے آتی ہے تو اوسکی نسبت باربار سوال کرتے ہین اور جو واقعات اونکے سامنے ظہور مین آتے ہین اون کا سبب دریافت کرتے ہین اس بات مین لڑکے اور لڑکیان دونون برابر ہین بلکہ بعض اوقات بہ نسبت لڑکون کے یہہ خاصتہً لڑکیون مین زیادہ دکھائی دیتا ہے۔

کون جاندار ہے جس مین روح اور عقل ہو اور وہ اس بات پر راضی ہو کہ اوسکے بازو توڑ دئے جائین اور اوسکو ایک پنجرے مین بند کر دیا جائے اور وہ سر جُھکائے آنکھین بند کئے اوس پنجرے مین پڑا رہے۔ اور اوسکے سامنے ایک وسیع اور پر فضا میدان ہو جسکی کوئی انتہا نہین۔ اوسکے سر پر آسمان کا نیلگون شامیانہ ہو۔ ستارے اوسکی نظر کے

ساتھہ کھیلتے اور اپنا جلوہ دکھاکر اوجھل ہوجاتے ہون - کائنات کی روحین اوسکو امیدون اور آرزوؤن کے میدان کی طرف کھینچے لئے جاتی ہون قدرت نے اپنے خزانے کھول دئے ہون کہ وہ اون پر قبضہ کرے اور اون سے متمتع ہو -

شریعت نے مرد اور عورت دونون کو یکسان طور پر مکلف قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو عقل و دانش مرد کو عطا کی گئی ہے وہی عورت کو دی گئی ہے - کیا کوئی شخص جسکو خود غرضی نے اندھا نہین کیا ہے خیال کرسکتا ہے کہ خدا نے جو عقل و درایت انسان کو عطا کی ہے وہ بیکار ہے اور جو حواس اور جو قوتین اوسکی فطرت مین ودیعت کی گئی ہین وہ اسلئے ہین کہ اونکو کام مین نہ لایا جاوے بلکہ اون کو ہمیشہ معطل رہنے دے

مسلمان کہتے ہین کہ عورتین پردہ نشین اور گھر کی زینت ہین اونکے فرائض گھر کی چوکھٹ پر تمام ہوجاتے ہین - مگر یہہ قول اونہین لوگون کا ہے جو خیال کی دنیا مین رہتے ہین اور جن کو حقیقت سے کوئی واسطہ نہین -

اگر مسلمان غور کرینگے تو اونکو معلوم ہوجائیگا - کہ سب سے پہلا فرض جو عورت کے ذمہ ہے وہ یہہ ہے - کہ وہ بذات خود اپنی زندگی کی ضرورتون کو پورا کرسکے جسکے نہونے سے اسکے حقوق پامال کئے جاتے ہین جیسا تمام خانگی معاملات مین مرد ہی جوابدہی کرتا ہے اور اوسی سے بازپرس کی جاتی ہے تو اوسکی نظر مین عورت کی اتنی ہی وقعت ہوگی جتنی کسی جانور کی ہوتی ہے جس طرح کسی جانور کا مالک اسکے لئے چارہ مہیا کرتا ہے اسیطرح مرد عورت کے لئے معاش کا بندوبست کرتا ہے -

صدیاں گذرچکی ہیں کہ عورتیں مردوں کے حکم کے سامنے گردن جھکاتی اور انکے ظلم و ستم کا شکار ہوتی رہی ہیں مردوں نے انکی آزادی چھین لی ہے انہوں نے عورتوں کیلئے یہی بات ہمیشہ پسند کی ہے کہ وہ

اونکی خدمت کرتی ہین۔ اونکے اشارون پر چلتی ہین۔ اونہون نے عورتون پر روزی حاصل کرنے اور معاش پیدا کرنے کے تمام دروازے بند کردئے ہین۔ یہانتک کہ اب وہ بذات خود معاش پیدا کرنے سے عاجز ہین اور اس بات پر مجبور ہین کہ شوہر کی کمائی پر گذر کرین۔ یا ناجائز طریقون سے معاش پیدا کرین۔

چونکہ عورتون کے دماغ کے لئے غور و فکر کا کوئی میدان باقی نہین رہا۔ اور زندگی کے مفید کامون کی ذرا بھی وقعت ان کی نظر مین نہین ہے۔ اور ان کا مشغلہ یہی رہگیا ہے کہ وہ مردون کی دلجوئی کرین۔ اور مرد جس طرح چاہین اون کو اپنے نفسانی جذبات کا تختۂ مشق بنائین۔ اس لئے عورتون نے اپنی تمام قوتین اس کوشش مین صرف کردی ہین کہ شوہرون کی دلجوئی کے نئے نئے طریقے ایجاد کرین اور اونکی خواہشون اور ارادون کے رخ کو پہچانکر کٹ پتلیون کیطرح اونکے اشارون پر ناچا کرین۔

بہت زمانہ اس بات کو گذر چکا ہے، کہ عورتون کو سچی تعلیم و تربیت سے محروم رکہا گیا ہے۔ اور اون کی دماغی قوتین کمزور ہوگئی ہین۔ اب اُن مین صرف احساس کی قوت باقی ہے۔ ادراک کی نہین۔ بھلائی اور برائی، نفع اور نقصان مین تمیز کرنے کے لئے وہ صرف اسی قوت سے کام لیتی ہین۔ عورتون مین نفرت بھی ہے اور محبت بھی، مگر اون مین سے کسی کی بنیاد عقل پر نہین ہے اگر وہ کسی سے محبت کرتی ہین تو اونکی محبت خالص ہوتی ہے اور اون سے بڑے بڑے عمدہ کام ظہور مین آتے ہین مگر اسکا مدار عقل و دانش پر نہین ہے بلکہ محض خواہش نفسانی پر ہے۔ اسی طرح وہ جب نفرت کرتی ہین تو اون سے بڑے بڑے گناہ صادر ہوتے ہین جنکے انجام سے وہ بے خبر ہوتی ہین۔ اگر اونکو عقلی اور اخلاقی تربیت دی جاتی تو اون مین وہ قوت ضرور ترقی کرتی جو خواہش

نفسانی پر حکمرانی کرتی ہے۔ اور اونکے ہر کام کی بنیاد حکمت اور اخلاق کے اصولون پر ہوتی
گذری ہوئی صدیون کی تاریکی مین عورتون کی عقل بھٹکتی رہی ہے اور وہ سیدہے
رستے پر چلنا نہین جانتین۔ اور شریعت اور اخلاق کی منزل سے کوسون دور رہگئی
ہین اور وہ مجبور ہین کہ حیلہ اور مکر کی چال چلین۔ وہ اپنے شوہرون کے ساتھ جو اونکے آقا اور
سرپرست ہین وہی برتاؤ کرتی ہین جو قیدی جیلر سے کرتے ہین اُن مین مکاری اور فریب
کی قوت بےانتہا ترقی کر گئی ہے۔ وہ خانہ داری کے اسٹیج پر طرح طرح کے ایکٹ
کرتی ہین اونکو ہر قسم کے لباس مین جلوہ گر ہونا، ہر سانچے مین ڈہل جانا، ہر شکل مین در آنا
اور ہر حال اور ہر وقت کے مناسب اپنے تئین بنا لینا خوب آتا ہے۔ اُنکے یہہ سب
کام عقل و حکمت سے نہین بلکہ بوڑھی جیسی مکاری اور فریب کی قوت سے ظاہر
ہوتے ہین۔

مگر عورتون کو اس بات مین ملامت کرنا بےسود ہے۔ اُنکے لئے یہہ عذر معقول
ہر وقت موجود ہے کہ اونکی آزادی چھین لی گئی ہے اُنکو تاریک گھر کے پنجرے مین اسلئے
بند کیا گیا ہے کہ ان مین عقل و تمیز کی کوئی بات نہین ہے اور بےعقلی اور بےتمیزی
اسلئے ہے کہ اونکو تعلیم و تربیت سے محروم کیا گیا ہے۔ اس کا گناہ درحقیقت مردون
کی گردن پر ہے جنہون نے اونکو تعلیم نہین دی جنہون نے تربیت سے اونکو محروم
رکہا ہے وہی اونکی عقل و تمیز کی قوت کو پامال کرتے ہین۔ اور وہی اونکی آزادی کا خون
اپنی گردن پر لینے والے ہین۔ ہر ایک انسان کو جس کے دماغ مین سوچنے اور سمجہنے کا مادہ
ہے اوسکو اپنے خاندان کی حالت پر نظر ڈالنی چاہیئے اور دیکہنا چاہیئے کہ اگر یہی حالت
باقی رہی تو اس مصیبت کا برداشت کرنا ناممکن ہو جائیگا۔

مین اس مضمون کو لکھہ رہا ہون اور میرا دماغ اون واقعات سے بہرا ہوا ہے
جنکا تجربہ ہو چکا ہے اور جو میرے تمام خیالات پر غالب آ گئے ہین - مین اون مین سے
کسی واقعہ کا ذکر نہین کرونگا - کیونکہ مین جانتا ہون کہ اون مین سے کوئی واقعہ ایسا
نہین ہے جو آنکھون کے سامنے نہ آتا ہو اور جسکا خیال دل مین نہ گذرتا ہو - ان
تمام واقعات کی بنیاد صرف ایک چیز ہے اور وہ جہالت کی ہولناک بیماری ہے جو تمام
خاندانون پر چہائی ہوئی ہے - اور جس مین امیر و غریب ادنی اور اعلی سب کی عورتین مبتلا
ہین - تمام عورتین جہالت اور نادانی کے لحاظ سے یکسان حالت مین ہین اگر ان مین
کوئی اختلاف ہے تو وہ لباس اور زیور کا ہے - بلکہ یہہ کہنا ممکن ہے کہ جون جون
عورتین دولتمندی مین ترقی کرتی ہین اونکی جہالت بہی بڑہتی جاتی ہے - اور یہی سبب
ہے کہ ادنی طبقے کی عورتون مین بہ نسبت اعلی طبقے کی عورتون کے عقل و دانش کی چمک
دمک کچہہ زیادہ پائی جاتی ہے -

کسانون کی عورتین اون سب کامون کو جانتی ہین جو اونکے شوہر کیا کرتے ہین -
ان مین تقریباً عورت اور مرد ایک درجے اور ایک حالت مین ہین - مگر اعلی یا متوسط
طبقے کی عورتین مردون سے بہت پیچہے رہ گئی ہین - کیونکہ مردونکے دل و دماغ تربیت
یافتہ ہین - اور اونکی عقلین علم کی روشنی سے منور ہین مگر انکی عورتون نے ترقی کی اس رفتار
مین مردون کا ساتہہ نہین دیا ہے - بلکہ وہ اونکے پیچہے کوسون دور رہ گئی ہین - مردون
اور عورتون کا یہہ اختلاف دونون کی بدبختی اور بدقسمتی کا بڑا بہاری سبب ہے -

تعلیم یافتہ مرد اپنے گہر مین ترتیب و انتظام دیکہنا چاہتے ہین - اونکا مذاق شائستہ
ہے، اونکے خیالات لطیف ہین، اُنکے جذبات نازک ہین - اون مین سے بعض

مرد ایسے ہین جنکی توجہ مادی اور جسمانی امور کی طرف بہت کم ہے - وہ کبھی خاموش رہتے ہین - کبھی آپ ہی آپ بولنے لگتے ہین - اور کبھی ہنس پڑتے ہین - ان مین سے ہر شخص کے دماغ مین خاص خیالات گردش کرتے ہین - ہر شخص ایک خاص مشرب کو پسند کرتا ہے - ایک خاص سوسیٹی کا ممبر ہے جسکی وہ خدمت کرتا ہے - ایک خاص ملک مین رہتا ہے جسکی وہ عزت کرتا ہے - اُسکی تمام تکلیفین اور خوشیان باطن سے تعلق رکہتی ہین - وہ محتاجون کو دیکھکر روتا ہے مظلومون کو دیکھکر غمگین ہوتا ہے لوگون کے ساتہہ بہلائی کرنے سے خوش ہوتا ہے - وہ چاہتا ہے کہ جو خیال اُسکے ذہن مین پیدا ہو - اور جو فیلنگ اُسکے حواس پر اپنا اثر ڈالے اُسکے اظہار کے لئے کوئی ہمدرد اور ہم خیال اوسکے پہلو مین بیٹھا ہو - اور وہ اپنے دلی خیالات اور جذبات کو اسطرح سے بیان کرتا ہو - یہہ ایک قدرتی میلان ہے جو ہر شخص کی طبیعت مین موجود ہے - اگر عورت تعلیم یافتہ نہ ہو تو وہ اپنی تکلیفوں اور خوشیون کو اوس سے پوشیدہ رکہے گا اور اپنے تئین ایک نئی دنیا مین اور اپنی عورت کو دوسری دنیا مین دیکہے گا کیونکہ عورت تو یہی جانتی ہے کہ مرد کو دنیا مین اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ ہمارے لئے نفیس کپڑے اور عمدہ زیور مہیا کرے - اور اپنے اوقات ہمارے ساتہہ کہیلنے مین بسر کرے -

مرد جب اپنی عورتون کو اس درجہ او اس حالت پر پاتے ہین تو اونکے دل مین حقارت کا خیال پیدا ہوتا ہے اور اونکو مردہ تصور کرتے ہین جنکا کوئی اثر اونکے معاملات اور زندگی پر نہین ہے - عورتین بہی جب مردون کو دیکہتی ہین کہ وہ اپنے خیال مین سر جہکائے محو رہتے ہین اور اونکی طرف التفات کی نظر سے نہین دیکہتے تو اونکا دل رنجیدہ

ہوتا ہے اور وہ اونکو ظالم خیال کرتی ھیں اور اپنی بدبختی پر روتی ھیں جس نے اون کو
ایسے مردون کے پنجے مین قید کر دیا ہے جو اونکی قدر نہین پہچانتے۔ اسطرح انکے
دل مین رفتہ رفتہ بغض اور عداوت کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ اب اونکی وہ ہولناک زندگی
شروع ہوتی ہے جسکو دوزخ کے عذاب سے کہین زیادہ خیال کرنا چاہیئے۔ اور جس مین
ہر ایک دوسرے کو اپنا دشمن جانی تصور کرتا ہے۔ جو اسکے اور اسکی کامیابی اور خوش نصیبی کے
درمیان حائل ہے۔

یہہ نہین خیال کرنا چاہیئے کہ یہہ حالت اُن مردون اور عورتون کی ہے جنکے اخلاق
فاسد ہین، بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ عورت نہایت پاکیزہ اخلاق اور نیک ہے اور مرد بھی
شریف طبیعت کا ہے، باوجود اسکے دونون مین ایسی دشمنی رہتی ہے جو کبھی ختم نہین
ھوتی مگر فی الحقیقت نہ اس مرد کا کوئی گناہ ہے اور نہ اس عورت کا، بلکہ اس بدبختی کا باعث
صرف یہی ہے کہ تعلیم اور تربیت کے لحاظ سے دونون کی حالت مختلف ہے۔ اس
حالت کا انجام یہی ہوتا ہے (اگر دونون مین تعلق باقی رہے) کہ اُن مین سے ایک
شخص دوسرے کے آرام کے لئے اپنے حقوق کو بالکل تلف کر دے۔ یا دونون
اخیر عمر تک اس بھاری طوق کو اپنی گردن مین ڈالے رہین لیکن اس صورت مین بیوی اور
شوھر کی کوئی حالت ہو، اونکے درمیان محبت کا رشتہ نہین ہو سکتا، اگر محبت کے اصلی
معنی لئے جائین اور اسمین کچھہ شک نہین ہے کہ مرد اور عورت کے لئے دنیا مین
اس سے زیادہ کوئی خسارہ نہین ہے کہ وہ محبت کی لذت سے محروم ہون۔

وہ مذہبی قصے جو آسمانی کتابون مین لکھے ہوئے ہین اُن سے معلوم ہوتا ہے
کہ خدا تعالیٰ نے حوا کو آدم کی پسلی سے پیدا کیا۔ میرے نزدیک یہہ لطیف اشارہ اس بات

کی طرف ہے کہ مرد اور عورت دونوں ملکر ایک انسان ہین - پورا انسان بغیران دونون کے اتحاد کے نہین ہوتا - اہل یورپ نے غالبًا اسی سبب سے عورت کا نام آدہا انسان رکہا ہے یہہ عمدہ اور پاکیزہ کنایہ اس بات پر اچہی طرح دلالت کرتا ہے کہ مرد اور عورت دونون ایک جسم کے ٹکڑے ہین - ایک ٹکڑے کو دوسرے ٹکڑے کی ضرورت ہی اور دونوں کے ملنے سے ایک پورا جسم تیار ہوتا ہے -

یہہ قدرتی کشش جو مرد اور عورت مین موجود ہے ، خدا نے تمام زندہ مخلوقات مین پیدا کی ہے - بعض نباتات مین بہی پیوند لگانے کے وقت نر اور مادہ کے درمیان ایک قسم کی حرکت محسوس ہوتی ہے ، جسکو دیکہکر طبیعیات کے علما حیران ہین - یہی قدرتی کشش ایک ضروری جزو ہے جو عشق اور محبت کی ماہیئت مین داخل ہے - اسی سے مرد اور عورت دونون کا ایک ، دوسرے کی طرف میلان ہوتا ہے - انسان مین جو کشش موجود ہے وہ حیوانون کی کشش سے مختلف نہین ہے - مگر اس کشش کی اصلیت اور حقیقت اور اس کا سبب اسی طرح تاریکی مین ہے جس طرح کہ تقریبًا دنیا کی ہر چیز کی ماہیئت اور حقیقت معلوم نہین ہے - بعض علما کا خیال ہے کہ یہہ ایک خاص قسم کا سیال ہے جو اعصاب کے مرکزون مین پیدا ہوجاتا ہے - جب یہہ کشش مرد اور عورت دونون کے درمیان پیدا ہوتی ہے ، تو ان کو آپس مین ملنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور جب دونون آپس مین ملتے ہین تو ان پر ایک خوشی طاری ہوتی ہے اونکی آنکہون سے دلی جذبات کا اظہار ہوتا ہے - جو اونکے سینون مین موجزن ہوتے ہین ، اگرچہ وہ زبان سے نہ بولتے ہون - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا دونون کی روحین اس دنیا مین آنے سے پہلے ایک اور دنیا مین باہم الفت رکہتی تہین - پہر جدا ہوگئین اور ایک نے

دوسرے کو تلاش کرنا شروع کیا جب دونوں اس دنیا مین آپس مین مل گئین تو ان مین سے
ہر ایک نے یہی سمجھا کہ اُس نے اپنی کھوئی ہوئی چیز پائی ہے جسکو وہ مدت سے
ڈھونڈ رہا تھا اسکے بعد مرد اور عورت دونو نکے دل مین طرح طرح کی اُمیدین اور آرزوئین پیدا
ہوتی ہین۔ دونون مین اتحاد شروع ہو جاتا ہے اور اس بات کا گویا اقرار ہو جاتا ہے کہ وہ کبھی
ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے۔ دونون مین سے ہر ایک اپنی کامیابی اور خوش قسمتی کا
مدار دوسرے کی ملاقات پر تصور کرتا ہے۔

لیکن یہہ مادی اور جسمانی کشش جو مرد اور عورت مین ہوتی ہے کچھہ دنون کے بعد کم
ہونے لگتی ہے اور رفتہ رفتہ فنا ہو جاتی ہے پہلی ملاقات مین کیسی ہی گرم جوشی کا اظہار
کیا گیا ہو مگر آخر کار اوسکو زوال ہو جاتا ہے۔ مردون اور عورتون کے مزاج مختلف ہین
اس لئے گرم جوشی اور الفت کا زوال کبھی دیر مین ہوتا ہے کبھی بہت جلد امیدین دھندلی
پڑ جاتی ہین، آرزوئین دہیمی ہو جاتی ہین، اور بجاے رغبت اور الفت کے نفرت اور عداوت
پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر خدا نے انسان مین اس بات کی قابلیت رکھی ہے، کہ اگر وہ چاہے
تو ہمیشہ اس فیلنگ کو زندہ اور اس خیال کو تازہ رکھہ سکتا ہے۔ وہ جسمانی اور دلفریب
منظر جس نے مرد کو فریفتہ کیا تھا، اوس کے ساتھہ ایک اور دلچسپ منظر پیش آتا ہے
جو عقلی اور روحانی ہے۔ احساس کی ناپایدار لذت عقلی اور وجدانی لذت کے ساتھہ
بدل جاتی ہے جس کی کوئی انتہا نہین۔ مرد کی پہلی نظر عورت کے چہرے کی صفائی آنکھون
کی خوشنمائی، قد کی موزونی، بالونکی درازی پر پڑتی ہے۔ اگر حسن وجمال کے ساتھہ
عادت کی نیکی، عقل کی جودت، مذاق کی نفاست، معلومات کی وسعت، راے کی اصابت
باطن کی پاکیزگی، ظاہر کی صفائی، دل کی نرمی، زبان کی سچائی، انتظام کی لیاقت،

خانہ داری کی قابلیت، محبت کی راستی، عہد و پیمان کی پختگی اور دیگر اخلاق حمیدہ اور عادات شائستہ عورت مین موجود ہون تو مرد کی فریفتگی اور دل بستگی ہزار درجہ بڑہ جاتی ہے اور عورت کا عشق مرد کی روح مین پیوست ہو جاتا ہے۔ باطنی خوبیان ظاہری خوبیون پر فوق لے جاتی ہین اور جو لطف اون سے حاصل ہوتا ہے وہ ظاہری خوبیون کے لطف سے زیادہ پائیدار ہوتا ہے۔ کامل اور پائدار عشق انہین دو عنصرون سے مرکب ہے جن کو دوسرے لفظون مین حسن صورت اور حسن سیرت کہہ سکتے ہین۔

بعض لوگ کہتے ہین کہ مرد کو عورت کے ساتھہ یا تو محض روحانی عشق ہوتا ہے، یا محض جسمانی۔ مگر میری راے مین پہلا شخص خیال پرست اور دوسرا شہوت پرست ہے۔ خالص محبت کا وہی لطف اوٹھا سکتا ہے جو روحانی اور جسمانی دونون قسم کی صفات پر عاشق ہو۔ جو عشق محض جسمانی لذت کی اُمنگ سے پیدا ہوتا ہے وہ کبھی پائدار نہین ہو سکتا۔ اس کی مثال ایک آتشگیر مادے کے ہے جو ایک دم سے بہڑک اوٹھتا ہے اور فوراً ہی بجھ جاتا ہے۔

جسمانی لذتین کیسی ہی مختلف ہون نوعیت کے لحاظ سے سب ایک سی ہوتی ہین۔ اور اُن مین وقت اور موقع کے لحاظ سے بہت کم فرق ہوتا ہے۔ پہلی بار جو لذت حاصل ہوتی ہے وہی دوسری بار اور وہی تیسری بار وقس علی ہذا۔ تجربے سے ہر شخص کو معلوم ہو جائیگا کہ بار بار ایک ہی قسم کی لذت کا محسوس ہونا خواہ اُس لذت کو قوت شامہ سے تعلق ہو، یا باصرہ، یا سامعہ، یا ذائقہ، یا لامسہ سے، اکثر اس بات کا سبب ہوتا ہے کہ انسان کی رغبت اُس لذت کی طرف کم ہو جاتی ہے۔ پہر رفتہ رفتہ یہہ حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ اعصاب پر اُس کا کوئی اثر نہیں ہوتا مگر روحانی لذتون کا یہہ حال نہین ہے

اس قسم کی لذتین ہر لحظہ اور ہر آن مین بدل جاتی ہین۔ اور اُن سے نیا لطف حاصل ہوتا ہے۔ ان دوستون کی حالت پر خیال کرو جن مین روحانی اور باطنی تعلق ہے اور جنکی محبت محض جسمانی لذتون پر مبنی نہین ہے انمین سے ایک کی روح دوسرے کی روح مین پیوست ہوجاتی ہے۔ اُن کو ہر صحبت مین نیا لطف اور ہر ملاقات مین نیا سرور حاصل ہوتا ہے وہ کوئی بات کرتے ہون کسی کام مین مشغول ہون۔ اُن کو ہر بات اور ہر کام مین ایک جدید لذت حاصل ہوتی ہے، اور اُنکی عقل کو ایک نئی غذا ملتی ہے ہر خیال اور ہر جذبہ اُنکی زندگی پر ایک نئی روشنی ڈالتا ہے اور اونکی الفت اور محبت کو ترقی دیتا ہے۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ سچی محبت مین کسقدر طاقت ہے، اور اسکو انسان پر کسقدر غلبہ حاصل ہے۔ شریف انسان کے لیے دنیا مین اس سے بڑھکر کوئی کامیابی اور کوئی خوشی نہین ہے۔ اگر دولت زندگی کی زینت ہے تو اصلی محبت کو خود زندگی کہنا ذرا بھی غلط نہین ہے۔ وہ مرد اور عورت جنکی تعلیم و تربیت مین تناسب نہو اس خوشی اور اس سعادت سے بالکل محروم ہین۔ اگر کوئی نکتہ چین یہہ کہے کہ اچھا فرض کرو کہ مرد تعلیم یافتہ ہے اور عورت تعلیم یافتہ نہین ہے۔ اس صورت مین یہہ ممکن ہے کہ اگر مرد کو عورت کے ساتھہ الفت نہ ہو تو عورت کو مرد کے ساتھہ ہو۔ مگر ایسا خیال کرنا اپنے تئین ایک خطرناک غلطی مین ڈالنا ہے۔ کیونکہ وہ اصلی محبت جسکی تربیت جسمانی اور روحانی عنصرون سے ہوتی ہے اُسکی بنیاد اس بات پر ہے کہ دونون ایک دوسرے کو عزت کی نگاہ سے دیکھین۔ مگر ایک کو دوسرے کی نسبت عزت کا خیال اُسوقت پیدا ہوتا ہے جبکہ یہہ اُس دوسرے کی قدر و قیمت سے واقف ہو۔ اور یہہ ممکن نہین ہے کہ جاہل عورت تربیت یافتہ شوہر کی قدر و قیمت جان سکے۔

جن لوگوں کی شادی ھو چکی ھے اگر تم ان سے دریافت کرو کہ آیا اُنکی عورتین اُن
سے دلی محبت رکھتی ہین ؟ تو وہ یہی جواب دینگے کہ ھان بیشک ہماری عورتین ہم سے
دلی محبت رکھتی ھین، مگر اصل مین اونکا خیال درست نہین ھے وہ خود دھوکے مین ہین
اور اصلی حقیقت سے آگاہ نہین ہین ۔ مین نے بہت سے خاندانون کے حالات
دریافت کئے ہین اور اونکا عمیق نظر سے مطالعہ کیا ہے ۔ یہہ وہ خاندان تھے جنکی نسبت
کہا جاتا تہا کہ اُن مین ہر بیوی اور شوھر مین کامل محبت اور دلی اتفاق ہے، مگر افسوس یہہ
کہ مین نے اُن مین کوئی مرد نہین پایا جو اپنی بی بی سے دلی الفت رکھتا ہو ۔ نہ کوئی عورت
دیکھی جو اپنے شوھر کو عزت اور محبت کی نظر سے دیکھتی ہو ۔ یہہ ظاہری اتفاق جو بہت
سے گھرون مین پایا جاتا ہے اسکا مطلب بس اتنا ہی ہے کہ ان مین تکرار اور لڑائی
نہین ھے ۔ مگر ایسا کیون ہے ؟ اس کا سبب یہہ ہے کہ یا تو شوہر تنگ اور مجبور ہوکر
خاموش ھو گیا یا عورت نے شوہر کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا ھے کہ وہ اپنے ملک اور جائداد
مین جسطرح چاہے تصرف کرے، یا عورت اور مرد دونون جاہل اور ناتربیت یافتہ ھین جو
عمدہ زندگی کی قدر و قیمت نہین جانتے ۔ اور اصلی خوشی اور اصلی کامیابی کے راز سے بےخبر ھیں
یہہ اخیر حالت مصر کے خاندانون مین عام طور پر ھے اور اس مین کسیقدر خوشی اور کامیابی
کی جھلک پائی جاتی ہے ۔ گو کہ وہ اصلی کامیابی اور اصلی خوشی نہ ہو ۔ مگر پہلی دو صورتون
مین اتفاق بہت بڑی قیمت دیکر حاصل ھوا ھے ۔ کیونکہ ان صورتون مین ایک نے
دوسرے کے فائدے کے لئے اپنے تئین بالکل فنا کر دیا ھے ۔ ان حالتون سے
قطع نظر کرکے اگر شاذ و نادر کوئی ایسی مثال پائی جائے جس مین مرد اور عورت مین گہرا
اور دلی تعلق ہو اور دونون کو ایک درجے پر تعلیم و تربیت نہ دی گئی تو یہہ نادر مثال

اس قاعدہ کلیہ کو نہین توڑسکتی جو اوپر بیان ہو چکا ھے۔ عام طور پر مرد اور عورت اس نعمت سے محروم اور اس سعادت سے بے بہرہ ھین۔ محبت کا نہ ہونا عام طور پر مرد کی طرف سے ھے کیونکہ عورت علم و شائستگی مین اس سے بہت دور پیچھے رہ گئی ھے۔

کوئی بات ایسی نہین ہے جبپر مرد اور عورت باہم گفتگو کرین اور دونون کو تبادلہ خیالات سے یکسان خوشی ہو۔ اور کوئی رائے ایسی نہین ہے جسکو دونون دلی اتفاق سے تسلیم کرسکین اس کا سبب ظاھر ھے کیونکہ مرد جن خیالات مین محو رھتا ھے، جو جذبات اوسکے سینے مین موجزن ہوتے ہین، جن کامون مین اُسکی زندگی بسر ہوتی ہے اور جن کیفیتون سے اُسکا دل مسرور ہوتا ہے، اُن سے عورت کو کوئی علاقہ نہین۔

سب سے بڑھکر یہہ ھے کہ وہ کام جنکے لئے عورت پیدا کی گئی ہے اور جو قدرتی طور پر عورتون ہی کے لئے موضوع ہوئے ہین اُن مین بھی مرد کو کوئی لطف نہین آتا اور عورت کے ساتھہ بیمزگی اور بے لطفی کی زندگی بسر کرتا ھے۔ اکثر عورتین نہ ہر روز بالون مین کنگھی کرتی ھین، نہ اونکو سنوارتی ہین، نہ ھفتے مین ایک دفعہ سے زیادہ نہاتی ھین، نہ مسواک یا منجن کا استعمال کرنا جانتی ھین، نہ دانت اور منہ صاف رکھتی ہین، نہ لباس کی صفائی کا خیال رکھتی ہین، نہ یہہ جانتی ھین کہ شوہر کے دل مین کن باتون سے رغبت پیدا ہوتی ھے اور اُس رغبت کو کیونکر پائدار کرین اور اُسکو کس طرح ترقی دین۔

اسکا باعث یہہ ھے کہ جو عورت تعلیم یافتہ نہین ھے وہ مردون کی اندرونی اُمنگون اور خواہشون سے ناواقف ھے اور نفرت اور رغبت پیدا ہونے کی اسباب سے

بے خبر ہے۔ اسی لئے جب وہ چاہتی ہے کہ کوئی ایسا کام کرے جس سے اُن کی طبیعت مائل ہو، تو میلان طبیعت کے بالکل برخلاف کام کرتی ہے۔ اور اپنی کوشش مین ناکام رہتی ہے۔

عورت جو مرد کے ساتھہ محبت نہین رکھتی، اُسکی وجہ اسکے سوا نہین ہے کہ وہ محبت کے معنی نہین جانتی۔

عورت کا جو خیال مرد کی نسبت ہے، اگر ہم اُس خیال کی تحلیل کرین اور اُس کے اجزا کو جدا جدا کر کے دیکھین، تو وہ دو باتون سے مرکب پایا جاتا ہے۔ ایک تو یہہ کہ وہ مرد کو اپنے نفسانی جذبات کا پورا کرنے والا خیال کرتی ہے دوسرے یہہ کہ اُسکو اپنے لئے اسباب معیشت کا مہیا کرنے والا سمجھتی ہے۔ وہ گہرا تعلق جس کا ذکر ہم کر چکے ہین اور جس کے سبب سے میان بیوی ایک جان اور دو قالب ہو کر رہتے ہین اور جس کے لئے ایک دوسرے کو اپنے مذاق کے موافق انتخاب کرتا ہے اور دوسرے ہزارون آدمیون سے وہ تعلق رکھنا پسند نہین کرتا اور جس کے سبب سے دونون ملکر ایک کامل وجود کہلاتے ہین۔ اور جسکے لئے ہر ایک اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے اور اپنے رفیق اور محبوب کے سوا دوسرا خیال اس کے دل مین نہین آتا۔ اسکی کوئی مثال ہم اپنے ملک مین نہین پاتے۔ ماں کو اپنی اولاد سے جو محبت ہوتی ہے وہ قدرتی ہے۔ اگر اس درجہ کی محبت قدرتی ہو اور دو شخصون کے درمیان پائی جائے تو سمجھنا چاہئے کہ اُن کو دنیا مین نعمت کبریٰ اور سعادت عظمیٰ حاصل ہے۔

مصر کی ہر عورت اپنے شوہر مین اس سے زیادہ کسی بات کی جستجو نہین کرتی

کہ اسکا قدر و قامت دراز ہے یا کوتاہ اُس کا رنگ گورا ہے یا کالا۔ شوہر کی عقلی اور اخلاقی پاکیزگی اُسکی عمدہ سیرت اُسکی پاک دامنی، اُسکی نازک خیالی، اُسکی علمی قابلیت، اُسکے شایستہ کام، اُسکے اعلیٰ مقاصد، اور وہ تمام صفات جن سے وہ اپنے ملک اور قوم مین ممتاز اور معزز خیال کیا جاتا ہے ان مین سے کوئی بات ایسی نہین ہے جو عورت کے خیال مین آئے۔ یا اُس کے دل مین شوہر کی وقعت اور عزت پیدا کر سکے۔

پس سب سے پہلا شخص جو مرد کی اِن صفات کی پروا نہین کرتا، اور جو اُسکی قدر و قیمت سے جاہل ہے، وہ اُسکی عورت ہے۔

ہم صریح دیکھتے ہین کہ ہماری عورتین اُن مردون کی تعریف کرتی ہین جن کے ساتھہ کوئی شریف آدمی مصافحہ کرنا بھی نہین چاہتا اور ان مردون سے نفرت کرتی ہین جن کے وجود کو ہم اپنی قوم کے لئے مایۂ نازش و افتخار جانتے ہین۔ عام طور پر جاہل عورتون کی راے مردون کی نسبت اُسی درجے کی ہوتی ہے جس درجے پر اُن کی عقل و فراست ہے۔ سب سے اچھا مرد اُنکے نزدیک وہ ہے جو شب و روز اونکے ساتھہ لہو و لعب مین مصروف رہے اور جس کے پاس اِس قدر دولت ہو کہ اُنکے لئے زرق برق لباس چمک دمک کے زیور، میوے اور شیرینی اور عمدہ غذائین مہیا کر سکے۔ اسی طرح اُنکے نزدیک سب سے زیادہ حقیر اور قابل نفرت وہ مرد ہے جو کتابوں کے مطالعہ میں محو رہتا ہو۔ جب کوئی عورت اپنے شوھر کو پڑھنے لکھنے مین مشغول دیکھتی ہے تو اُس پر غضبناک ہوتی ہے، اور اُن کتابون اور علمون پر لعنت بھیجتی ہے جنہوں نے اس کو عورت کے ساتھہ لہو و لعب کرنے سے باز رکھا۔ اور اُس کے اوقات عیش مین خلل ڈالا۔ اور اُسکو اُن حقوق سے محروم رکھا جو شوھر کی گردن پر ہین۔ اس سے مرد اور عورت مین دائمی

تکرار اور مخالفت کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ ابھی ایک لڑائی ختم ہونے نہین پاتی کہ دوسری لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔

بیچارہ مرد کوئی تدبیر نہین پاتا جس سے ان دو دشمنوں یعنی عورت اور علم کے درمیان صلح کرا سکے۔ وہ اُس مرد سے بھی زیادہ حیران اور پریشان ہوتا ہے جس کی دو بیویاں ہوں۔ کیونکہ بسا اوقات دو سوکنون مین آشتی اور صلح کا ہونا ممکن ہے لیکن یہہ ممکن نہین ہے کہ جاہل عورت اور تربیت یافتہ مرد مین کسیطرح موافقت ہو جائے۔ مصر کی کوئی عورت اس بات پر راضی نہ ہوگی کہ وہ ایک عالم کی صحبت مین زندگی بسر کرے۔

یہہ ظاہر ہے کہ جس مرد کی یہہ حالت ہو، اُس کی عملی قابلیت رفتہ رفتہ بالکل نابید ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کسی شخص کا علم بار آور نہین ہو سکتا جب تک کہ اُس کا دماغ افکار سے خالی نہ ہو، اور جب تک کہ اُس کی طبیعت کو کامل اطمینان اور سکون میسر نہ آئے۔ مرد تو آرام اور اطمینان چاہتا ہے جس کی کنجی اُس کی عورت کے ہاتھہ میں ہے مگر وہ اُس کے دینے میں بخل کرتی ہے۔ اس حالت مین کیونکر ممکن ہے کہ کوئی تعلیم یافتہ مرد اپنے علم سے کام لے سکے، اور اپنے اعلیٰ ارادوں کو عمل مین لا سکے۔

اس بیان سے یہہ نتیجہ صاف نکل آتا ہے کہ مصری عورتیں عام طور پر محبت کی لذت سے ناواقف ہیں۔ خاصکر وہ عورتیں جنکے شوہر تعلیم یافتہ ہوں اور اپنے تئیں مفید کامون مین مشغول رکھتے ہوں۔

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ جس محبت کا تمنے ذکر کیا بیشک وہ اعلیٰ درجہ کی سعادت ہے۔ مگر ایسی نہیں ہے جس کے بغیر میان بیوی کی زندگی اجیرن ہو جائے۔ کیونکہ اگر

میاں بیوی میں ایسی اعلیٰ درجہ کی محبت نہ ہو، تو یہ بات ممکن ہے کہ اس نقصان کو اور بہت سی صفات پورا کر سکیں۔ ہمارے نزدیک تو اتنا ہی ہونا کافی ہے کہ عورت مرد کی غمخوار اور اوس کی شریک رنج و راحت اور زندگی کی بعض ضرورتوں میں اُسکی معاون و مددگار ہو ہاں معترض کی طرح ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ عورت مرد کی ہمدم و ہمراز اور اوسکی دست و باز و ہو مگر ایسا ہونا کب ممکن ہے جب کہ عورت جاہل اور ناتربیت یافتہ ہو۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ کسانوں کی عورتیں باوجود جہالت کے اپنے مردوں کے ہر کام میں شریک رہتی ہیں۔ اور گھر کے اندر اور باہر ہر قسم کی خدمت انجام دیتی ہیں مگر اس حالت میں خوشی کے ساتھہ زندگی بسر کرنا اسلئے ممکن ہے کہ دیہات کی زندگی نہایت سادہ اور وحشیانہ ہے۔ اور دہقانوں کی خانگی ضرورتیں بہت کم ہیں۔ مگر اُن شہروں میں جہاں شایستگی ترقی کر گئی ہے، جہاں انسانی ضرورتوں کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے، جہاں معیشت کے طریقے بہت اور مختلف ہیں، جہاں ایک گھر کا انتظام کرنا ایک بڑے کارخانہ کے انتظام کرنے کی برابر ہے۔ اگر وہاں عورت کے ہاتھہ خانہ داری کی باگ دیجائے تو بغیر تعلیم و تربیت کے اُس انتظام کا چلانا ناممکن ہے۔

حقیقت یہہ ہے کہ خانہ داری کا فن آج کل اسقدر وسیع ہو گیا ہے کہ اُسکے لئے بہت سے علوم و فنون کے سیکھنے کی ضرورت ہے آج کل عورت ہی کے ذمہ یہہ کام ہے کہ وہ آمدنی اور خرچ کا بجٹ ایسی لیاقت اور غور و فکر سے تیار کرے کہ گھر کی مالی حالت میں کبھی مشکلات پیش نہ آئیں۔ نوکروں کے کام کی نگھبانی بھی اُسی کے ذمہ ہے تاکہ وہ ایک لمحہ بھی اپنے فرائض سے غافل نہ ہوں۔ کیونکہ بغیر کامل نگرانی کے ممکن نہیں ہے کہ خدمتگار اپنے کام کو عمدگی سے انجام دیں۔ عورت ہی کا یہہ فرض ہے کہ وہ گھر کو شوہر کی

نظر میں دلچسپ اور مسرت خیز بنائے تاکہ جب وہ محنت سے فارغ ہو کر گھر میں قدم رکھے تو در و دیوار سے اوسکو اُنس ہو اور اس چار دیواری میں وہ آرام و راحت پائے۔ گھر میں چند ساعت قیام کرنا اُسکے لئے نعمت عظمیٰ ہو۔ کھانے اور پینے، سونے اور جاگنے میں اُسکو انتہا کا لطف آئے۔ بازار یا قہوہ خانہ کی صحبت سے اُسکو دلی نفرت ہو جائے۔

عورت ہی کا سب سے بڑا فرض یہہ ہے کہ وہ اولاد کو جسمانی، عقلی اور اخلاقی ہر قسم کی تربیت سے آراستہ کرے۔

یہہ ظاہر ہے کہ ان اصولوں کو جن کا ذکر اجمالاً ہوا موجودہ زندگی کے جزئیات پر تفصیل کے ساتھہ منطبق کرنا ایسا کام نہیں ہے جسکے لئے ایک تربیت یافتہ دماغ کی ضرورت نہ ہو اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب تک عورت کی عقل وسیع نہ ہو، دماغ مختلف معلومات سے منور نہ ہو، مذاق صحیح اور طبیعت شایستہ نہ ہو، یہہ ممکن نہیں ہے کہ وہ خانگی انتظام کو عمدگی اور خوبی کے ساتھہ چلا سکے۔ خاصکر اولاد کی تربیت تو بغیر تربیت یافتہ ماں کے ہو ہی نہیں سکتی۔

ہم نے اس امر کو بالکل فراموش کر ڈالا ہے کہ اولاد ماں باپ کے قدم بقدم ہوتی ہے اور خاصکر ماؤں کو اس امر میں بہت بڑا دخل ہے۔ ہم نہایت مبالغہ کے ساتھہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ فاسقوں اور بدکاروں کے گھر نیک اور صالح، اور صالحوں کے گھر بد چلن اولاد پیدا کرتا ہے اور وہ جس طرح چاہتا ہے عقل اور اخلاقی صفات عطا کرتا ہے۔ اگر اس امر کا لحاظ کیا جاوے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے تو اس اعتقاد کے صحیح ہونے میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہو سکتا، بلا شبہہ وہ اپنی لازوال قدرت سے ایسا کر سکتا ہے۔ اگر اس اعتقاد سے یہہ مقصود ہے کہ اُسکو ایسا کرنا ممکن ہے تو کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ اگر وہ چاہے

تو ایسا کر سکتا ہے۔ جس طرح اگر وہ چاہے تو تمام لوگوں کو ایک قوم بنا سکتا ہے اور زمین سے گھاس پات کی طرح حیوانوں کو اُگا سکتا ہے۔ بے شک یہ تمام باتیں اُسکی قدرت سے باہر نہیں ہیں۔ لیکن اُس نے عالم اور اُسکی مخلوقات کے لئے ایسے قوانین بنائے ہیں اور زندگی کے لئے ایک ایسا نظام مرتب کیا ہے جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم۔ تاریخ انسان ہم کو بتاتی ہے کہ اُسکے روز پیدائش سے آج تک نظام عالم اور اوسکے طبعی قوانین میں تبدل اور تخلف نہیں ہوا۔

خداوند تعالیٰ کی عجیب و غریب حکمت کا بہت بڑا مظہر وہ سچا اصول ہے، جسکی طرف ہم کو علم نے رہنمائی کی ہے۔ اور وہ یہہ ہے کہ تمام ذی حیات نوعیں جن میں نوع انسان بھی داخل ہے اُنکا ہر ایک فرد ہو بہو اپنی اصل کے مطابق ہوتا ہے جس سے وہ پیدا ہوا ہے۔ اُس میں صورت نوعیۃ کے علاوہ بالخصوص اُسکے ماں باپ کی صورت بھی ہوتی ہے۔ اسکے یہہ معنی ہیں کہ ہر ایک فرد میں وہ تمام خواص بھی موجود ہوتے ہیں جو اُس کی نوع کو امتیاز دینے والے اور دوسری نوعوں سے جُدا کرنے والے ہوتے ہیں اور نیز وہ صفات بھی موجود ہوتی ہیں جو اُسکے ماں باپ کے ساتھہ مخصوص ہوتی ہیں۔

زمانہ حال کی جدید علمی انکشافات سے یہہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ جسطرح صفرا جگر کے افعال کا نتیجہ ہے اسی طرح تمام عقلی اور اخلاقی ملکات دماغی افعال کے نتائج ہوتے ہیں۔ اور جس چیز کا نام عقل رکھا گیا ہے، اِن افعال کے سوا اُس کا کوئی خاص فعل نہیں ہوتا بلکہ اسکا فعل دماغ اور اعصاب کی حالت کے تابع ہوتا ہے۔ چونکہ اِن اعضا کا مادہ اصل سے متنزع ہوا ہے جس سے یہہ اعضا پیدا ہوئے ہیں، اسلئے وہ بلا شبہہ افعال کے لحاظ سے زیادہ تر اپنی اصل کے تابع ہونگے۔ یہہ بات ظاہر ہے کہ جسم کے باقی رہنے اور نشو و نما پانے کے لئے صرف وہی ابتدائی

مادہ کافی نہیں ہوتا جو اصل سے حاصل ہوا ہے بلکہ اُسکے لیے جسمانی تربیت اور غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی حال عقلی اور اخلاقی ملکات کا ہے، وہ استعداد اور وہ قوتیں جو ماں باپ سے وراثۃً حاصل ہوئی ہیں کافی نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ اُن کے نشو و نما پانے اور اونکے آثار اور نتائج ظاہر ہونے کے لئے روحانی غذا اور مناسب تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس وراثت اور تربیت یہی دو اُصول ہیں جس کی طرف بچہ رجوع کرتا ہے، خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی، اور ان دونوں کے سوا تیسری کوئی چیز نہیں۔

وراثت کے ذریعے سے بچہ کو ان تمام خواہشات اور جذبات کی استعداد حاصل ہوتی ہے جو اُسکے ماں باپ میں ہوتے ہیں (خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے) اور جبکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اُسی وقت یہہ استعداد اس میں مستحکم ہو جاتی ہے۔ پس بچے کی صفات اُسکے مادری اور پدری اسلاف کی صفات کے تابع ہوتی ہیں۔ اور تربیت کے ذریعہ سے بچے کا ذہن اُن صورتوں سے لبریز ہو جاتا ہے جو احساس کے ذریعہ سے اُس پر وارد ہوتی ہیں اور بطور تکلیف یا لذت کے اُسکے نفس پر اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ اُسکے احساس کا ان صورتوں کو قبول کرنا اُسکی تربیت کرنے والے کے ارادہ پر منحصر ہے۔ کیونکہ وہی اوسکو مختلف چیزیں دکھلاتا اور طرح طرح کی باتیں سناتا اور رنگ برنگ کے ذائقے چکھاتا ہے اور وہی اُسکی معلومات کے دائرہ کو وسیع کرتا ہے۔ وہی اُسکے وجدان کے سامنے ایسے خیالات پیش کرتا ہے جو اُسکی حالت کے مناسب ہوتے ہیں۔ پس اگر بچے کے سامنے محسوسات کی صرف ایسی ہی چند صورتیں لائی جائیں گی جن سے بعید نتائج پیدا نہیں ہوتے، یا صرف ایسے ہی خیالات پیش کیے جائیں گے جن کے آثار جسمانی لذت سے قریب ترین اشیاء میں ظاہر ہوتے ہیں تو وہ وحشیوں اور پاگلوں اور نا سمجھ بچوں کی طرح نہایت متلون اور فوری خیال کے اشاروں پر چلنے والا ہوگا۔ لیکن

لیکن اگر اُس کی معلومات وسیع ہونگی اور اُسکے ذھن میں محسوسات کی ایسی بہت سی صورتیں جمع ھونگی جن سے قریب و بعید نتائج پیدا ہوتے ہیں اور اُسکا وجدان بھی نہایت لطیف اور نازک ھوگا تو بچے میں دور اندیشی اور انجام بینی کی خصلت مستحکم ھوجائیگی اور وہ حس اور شعور کے فوری انفعال سے جلد متاثر نہو سکیگا۔ اُسکی نشو و نما ایسی حالت میں ھوگی کہ اُسکے ھاتوں میں اپنے تمام کاروبار اور حرکات و سکنات کے جانچنے کے لئے ایک صحیح ترازو ھوگی جس کے ذریعہ سے وہ اُنکو وزن کرسکیگا۔ اور بچپن ھی سے مفید کاموں کی طرف رغبت اور مضر باتوں سے نفرت اُسکی طبیعت میں راسخ ھوجائیگی۔

ھمارا یہہ منشا نہیں ھے کہ بچے ان صفات کے لحاظ سے صاحب رشد و تمیز مردوں کی برابر ھو نگے۔ نہیں بلکہ یہہ عقلی اور اخلاقی کمالات کے بیج ھیں جو رفتہ رفتہ نشو و نما پاکر ان اعلیٰ مقاصد تک پھونچا دیتے ھیں، جن کے حاصل کرنے کے واسطے وہ تمام اشخاص کوشش کرتے ھیں جو انسانیت کے معنی جانتے اور اخلاقی فضیلت کا مرتبہ پہچانتے ھیں۔ پس عمدہ وراثت اور معقول تربیت کے بغیر عقل کی پوری اصلاح نہیں ھوسکتی۔ یہی وجہ ھے کہ آجکل علماء تمام اخلاقی کمزوریوں اور بدچلنیوں کو دماغی یا اعصابی امراض کی طرف منسوب کرتے ہیں خواہ وہ موروثی ھوں یا کسبی۔ اگر بعض موقعوں پر کوئی ایسی نظیر پیش کی جائے کہ بچہ بعض حالات کے لحاظ سے اپنے والدین کے مشابہ نہیں ھے تو اسکی یہ وجہ ھوگی کہ قانونِ وراثت اُسکو اُسکے اسلاف میں کسی دوسرے شخص کی طرف رجوع کردیتا ھے۔

پس اگر بچہ کی تربیت اُس طریقہ کے مطابق ہوگی جو ھم نے اوپر بیان کیا ھے تو وہ ناقص استعداد جو اُسکو بطور وراثت کے اپنے اسلاف سے پہونچی ھے کمزور ھوجائیگی اور بجائے اُسکے ایک جدید استعداد اُس کی طبیعت میں راسخ ھوجائیگی جو اُسکی اولاد کی طرف منتقل

ھوتی رھیگی۔ اور اگر اُنکے خاندان میں وھی نظام تربیت جاری رھا جس کی بدولت اُس نے استعداد حاصل کی ھے تو اس میں شک نہیں کہ اُسکا اثر نسلاً بعد نسل جاری رھیگا۔ لیکن اگر تربیت ناقص ھوگی اور وہ چیزیں جو بچہ کے سامنے لائی جاتی ھیں اگر اُسکی خواھشات کو برانگیختہ کرنیوالی اور اُسکے جذبات کو اکسانے والی ھونگی تو اُسکی طبیعت میں خباثت کی استعداد قوت پاکر مستحکم ھو جائیگی اور عمدہ استعداد رفتہ رفتہ مضمحل ھوکر فنا ھو جائیگی۔ اور اُسکی بدولت جو بدکاریاں اور بداعمالیاں باپ سے سرزد ھوئی ھیں وھی اولاد سے سرزد ھوتی رھیں گی۔

امام غزالیؒ نے تربیت کی نسبت ایک مختصر اور نہایت لطیف عبارت ذکر کی ھے، جسکو میں اس مقام پر درج کرنا مناسب سمجھتا ھون ۔ وہ لکھتے ھیں کہ "بچہ اپنے ماں باپ کے پاس بطور امانت کے ھے اور اُسکا پاک صاف دل ایک نہایت نفیس اور پاکیزہ گوھر ھے جو ہر قسم کے نقش و نگار سے خالی ھے۔ اُس میں اس بات کی استعداد ھے کہ جس طرف تربیت کرنے والے چاھیں مایل ھو سکتا ھے۔ پس اگر اُس میں صلاحیت پیدا کی جاے اور اُسکو اچھی باتون کا عادی بنایا جاے اور مناسب طریقہ سے اُسکی تعلیم و تربیت کی جائے تو وہ دینی اور دنیوی سعادت اور بہبودی حاصل کریگا اور اُسکے ماں باپ اور تمام معلم اور ادیب صواب میں شریک ھونگے اور اگر وہ بُرائی کا خوگر کیا جائیگا اور بہایم کیطرح آوارگی کی حالت میں چھوڑ دیا جاے تو اُسکا دین و دنیا دونون برباد ھونگے اور اُسکا وبال اُن لوگوں کی گردن پر ھوگا جو اُسکے سرپرست اور اُسکی تعلیم و تربیت کی نگرانی کرنے والے تھے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ھے "" اے ایمان والو اپنی اور اپنے اہل عیال کی جانوں کو آگ سے بچاؤ۔""

تربیت صرف ایک بات پر منحصر ھے، اور وہ یہہ ھے کہ بچہ کو نیک کاموں کا خوگر بنایا جاوے اور اُس کے نفس کو صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ سے آراستہ کیا جاوے۔ اور اس کا ذریعہ

بھی صرف ایک ھی ھے، اور وہ یہہ ھے کہ بچہ اپنے گردوپیش اسی قسم کے اخلاق و عادات کے آثار مشاہدہ کرے۔ کیونکہ تقلید کے ذریعہ سے جو بچون کی طبیعت مین راسخ ھوتی ھے وہ تمام باتین حاصل ھو جائین گی جنکا جاننا ضروری ھے پس اگر مان جاھل ھوگی تو وہ بچے کو اپنی حالت پر چھوڑ دیگی اور اُسکی چھوٹی سی عقل اور بڑی بڑی خواھشیں جدھر اُسکو لیجائینگی اسی طرف مایل ھو جائیگا چونکہ وہ اپنے گردوپیش ایسے افعال و حرکات مشاہدہ کریگا جو کسیطرح اصول اخلاق پر منطبق نہین ھو سکتے اسلئے وہ قبیح عادتون اور پاجیانہ خصلتون کا خوگر ھو جائیگا۔

چونکہ اپنے گھر میں اور گھر سے باھر اخلاق و عادات کے بُرے نمونے اُسکی نظر سے گذرینگے اس لئے جسقدر اوسکی عمر بڑھتی جائیگی اُسیقدر یہہ قبیح اخلاق اُسکی طبیعت مین راسخ اور مستحکم ھوتے جائین گے۔ اور جب وہ سن تمیز کو پہنچکر اپنے آپ کو ایک بداخلاق آدمی دیکھے گا یا لوگ اُسکو ایسا خیال کرینگے تو اُسوقت اُن فاسد اخلاق و عادات کی اصلاح ناممکن ھوگی خواہ اُسکا ارادہ کیسا ھی قوی، اُسکا علم کتنا ھی وسیع، اور اُسکی عقل کیسی ھی روشن ھو۔ ایسی مثالین بہت ھی شاذ و نادر ملینگی کہ انسان جوان ھونے کے بعد اپنے فاسد اخلاق و عادات کی اصلاح میں کامیاب ھوا ھو، مگر ایک خاص حد تک۔

یہہ بات سب کو معلوم ھے کہ بچہ اپنے بچپن سے لیکر سن تمیز تک عورتوں کی سوسیٹی میں رھتا ھے۔ اسکے گردوپیش ہمیشہ اُسکی مان، بھنین، پھوپیاں، خالائیں اور اونکی لونڈیان اور سہیلیان رھتی ھیں۔ وہ اپنے باپ کو بہت ھی کم دیکھتا ھے۔ پس اگر عورتون کی وہ سوسیٹی جس میں اُسکی نشو و نما ھوئی ھے عمدہ ھوگی تو اُسکی تربیت بھی اچھی ھوگی اور اگر سوسیٹی ناقص ھوگی تو اُسکی تربیت بھی ناقص رھیگی یہہ بات جاہل ماں کی استطاعت سے باھر ھے کہ وہ اپنے بچہ کو صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ سے آراستہ کر سکے۔ کیونکہ وہ اُن سے اور اونکی قدر و قیمت سے ناواقف ھے۔ اگر وہ

اوسکو قبیح خصلتون اور نالایق عادتون کا خود سبق نہ دیگی، تاھم وہ صرف یہی کرسکتی ھے کہ اسکو اپنی حالت پر چھوڑ دے کہ آوارہ لڑکوں میں اپنی تضیع اوقات کرتا اور قبیح عادتیں سیکھتا رھے۔

کیا یہ امر قوانین حفظ صحت سے ناواقف ھونے کے باعث سے نہیں ھے کہ ماں اپنے بچہ کی جسمانی صفائی کا خیال نہ رکھے اور اُس کے بدن پر میل کی تہیں چڑھتی چلی جائین۔ اور اسکو آوارہ چھوڑ دے کہ وہ شہر کی گلی کوچوں میں مارا مارا پھرے اور حیوانون کے بچوں کی طرح خاک وحول میں لوٹتا رھے؟ کیا یہہ ماں کی جہالت کے باعث سے نہیں ھے کہ بچہ کی طبیعت میں کاہلی اور کام کرنے سے نفرت پیدا ھو جاے اور وہ اپنا تمام وقت جو ایک گران قیمت راس المال ھے لیٹنے، سونے اور کھیل کود میں ضایع کرتا رھے۔ حالانکہ بچپن کا زمانہ نہایت چستی اور چالاکی، نشاط اور اُمنگ کا زمانہ ھوتا ھے۔ اس زمانہ میں بچوں کو خبر بھی نہین ھوتی کہ سستی اور کاھلی کیا چیز ھے، کیا یہہ ماؤن کی جہالت کا اثر نہیں کہ ھمارے اعصاب شل اور بالکل بے حس وحرکت ھو رھے ھین، ھم بُرائی بھلائی سے خواہ وہ کیسی درجہ کی ھون ھرگز متاثر نہیں ھوتے۔ اگر ھم کوئی مفید اور عمدہ کام دیکھتے ھین تو محض زبان سے اُسکی تعریف کرتے ھیں اور اگر کوئی قبیح بات یا کوئی ناشایستہ حرکت مشاھدہ کرتے ھیں تو اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے لئے صرف سر ھلا دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ مگر ھمکو کوئی ایسی اندرونی تحریک محسوس نہیں ھوتی جو اول کی طرف راغب ھونے اور دوسرے سے بچنے پر مجبور کرے، کیا یہہ جہالت نہین ھے کہ مائین اپنے بچون کو تادیب کی غرض سے جن، بھوت اور ھوؤن اور للوؤن سے ڈراتی ھیں اور اُنکی حفاظت کے لئے تعویذ گنڈے اُنکے گلے میں ڈالتی اور قبرون اور خانقاھوں کے گرد طواف کراتی ھیں حالانکہ یہ ایسی باتیں ہین کہ مذھب کے اصول سے جاھل اور فضائل اعمال سے ناواقف اشخاص بھی اُنکی پروا نہین کرتے۔ اور ھماری قوم کے بچون بلکہ مردون پر اُنکا ایسا بُرا اثر پڑتا ھے جو اُن کو ھر قسم

قسم کی بھلائی سے دور اور برائی سے قریب کرنیوالا ہوتا ہے؟

ہماری قوم میں یہہ امور مسلم ہو چکا ہے کہ ماؤں کو اپنی اولاد کی تربیت میں ہرگز کامیابی نہیں ہوتی حتی کہ ادنی الطبع اور بدچلن آدمی کیلئے بطور ضرب المثل کے بولا جاتا ہے کہ وہ عورت کا تربیت یافتہ ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یورپین ممالک میں عورتوں کی تربیت مردوں کی تربیت کی نسبت بدرجہا بہتر اور فائق خیال کی جاتی ہے۔ وہاں اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ وہی لوگ سمجھے جاتے ہیں جن کی تربیت خوش قسمتی سے کسی عورت کے نگرانی میں ہوئی ہو۔ یہہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ عورت اپنی بعض طبعی خصائل کے باعث مرد سے ممتاز ہے۔ وہ مرد کی نسبت زیادہ صابر اور متحمل، اور معاملہ میں زیادہ نرم، اور احساس اور جذبات میں زیادہ لطیف اور نازک ہے اہل یورپ اُس تاثیر پر نازاں ہیں جو عورتوں نے اُن کی حالت پر ڈالی ہے۔ میں نے مشہور فلاسفر رونان کی کسی تصنیف میں دیکھا ہے کہ "میری تصنیفات میں جسقدر نفیس اور نازک مضامین لکھے گئے ہیں وہ میری بہن کے بتلائے ہوئے ہیں" مشہور مصنف فونس دودیہہ نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے کہ "اگر میں کسی فخر کا مستحق ہوں تو اُسکا نصف میری بیوی کا حصہ ہے"۔ اسکے علاوہ اور بیشمار نظیریں مل سکتی ہیں، جو لوگ اہل یورپ کی حالات سے واقف ہیں اُنکو معلوم ہیں۔ ان تمام نظیروں سے یہہ امر بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی تربیت ایک نہایت ضروری اور لابدی چیز ہے اور تربیت کا غالب حصہ عورت پر منحصر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایتوں میں بھی ایک نہایت مفید اور کار آمد ہدایت ہمکو معلوم ہوئی ہے جو اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ بیشک وہ اس قابل ہے کہ ہمارے قومی معاملات میں ایک زبردست اصول سمجھا جائے۔ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں فرمایا ہے کہ "خذوا النصف دینکم عن هذه الحمیرا" ظاہر ہے کہ حضرت

عائشہ صدیقہ صاحب وحی و معجزہ نہ تھیں، صرف یہی بات تھی کہ اُنہوں نے آپکی ھدایتوں کو سنا اور یاد رکھا تھا اور آپ کی خدمت میں تعلیم حاصل کی تھی۔

میں اس بات کو پسند کرتا ھوں کہ مصر کے تمام باشندے اس امر کا یقین کریں کہ تربیت کا مسئلہ ھمارے لئے تمام مسائل کی نسبت زیادہ ضروری اور اھم ھے اور باقی تمام مسائل خواہ وہ کیسے ھی ضروری اور اھم ھوں مسئلہ تربیت میں داخل ھیں۔

مصر کے باشندے بعض ایسے اخلاق و عادات کے ساتھ متصف ھیں جن کو اُنہوں نے تاریخی واقعات سے سیکھا ھے جنکا اُس مقام پر ذکر کرنا مناسب نہیں معلوم ھوتا۔ یہہ اخلاق و عادات ایسے ھیں جنکو نہ مذھب سے کچھ تعلق ھے اور نہ عقلا ان کو پسند کرتے ہیں اور نہ وہ دوسرے اشخاص میں دیکھے جاتے ہیں۔

میں خیال کرتا ھوں کہ اب وہ وقت آگیا ھے کہ ھم اپنے نفوس کو واقعی اور علمی تربیت کے ساتھ آراستہ کریں، جس سے ھماری قوم میں ایسے جوانمرد صاحبِ علم اور اھل الرای پیدا ھوں جو ذی علم اور صاحبِ اخلاق حمیدہ ھونے کے علاوہ علم و عمل کے جامع ھوں۔ ھمکو ایسی تربیت کی ضرورت ھے جو ھم کو اُن تمام عیوب اور نقصانات سے پاک صاف کر دے جو اجنبی قومیں ھمارے ذمہ لگاتی ھیں۔ یہہ تمام عیوب اگرچہ ناموں کے اعتبار سے مختلف ھیں لیکن اُن کا سبب صرف ایک ھی ھے اور وہ تربیت کا نقص ہے۔ مصر کے تمام علماء اور اہل الرائے نے اس بات پر اتفاق کیا ھے کہ اس وقت ھمارے موجودہ امراض کی اگر کوئی دوا ھے تو وہ تربیت ھے۔ اور یہی صاحب رائے تمام کتابوں، اخباروں اور رسالوں میں، حتیٰ کہ پبلک اور پرائیویٹ جلسوں میں مشتہر ھو چکی ھے، جسکی نسبت یہ کہنا بالکل صحیح ھے کہ وہ مسلمانوں کی عام رائے ھو گئی ھے۔ اور اس سے یہہ خیال پیدا ھو گیا ھے کہ ھماری قوم کی آئندہ حالت تربیت پر منحصر ھے۔

مگر مین اپنی قوم کے بزرگون کو دیکھتا ھوں کہ وہ تعلیم کی طرف تو نہایت سرگرمی کے ساتھہ متوجہ ھو رھے ھین، مگر تربیت کی طرف کوئی شخص بھی التفات نہین کرتا۔ حالانکہ اخلاق کی تہذیب تعلیم پر مقدم ھے اور لڑکیون کی تعلیم بہ نسبت لڑکوں کی تعلیم کے زیادہ ضروری ھے

مین اُن لوگوں میں نہیں ھوں جو لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم مین مساوات کے خواستگار ھین۔ میرے نزدیک یہہ بالکل غیر ضروری ھے۔ مین بلا خوف تردید اس امر کا خواھشگار ھون کہ کم از کم ابتدائی تعلیم تک یہہ مساوات قایم رکھی جاوے۔ اور لڑکیون کی تعلیم کیطرف بھی ایسی ھی سرگرمی کے ساتھہ توجہہ کی جائے جیسی کہ لڑکوں کی تعلیم پر کی جاتی ھے

اِس وقت جسقدر بعض لڑکیوں کو تعلیم دی جاتی ھے وہ میرے نزدیک کافی نہیں ھے۔ کیونکہ ان کو عربی اور کسیقدر اجنبی زبان میں لکھنا پڑھنا اور کچھہ سینا پرونا اور کسیقدر فن موسیقی سکھایا جاتا ھے۔ مگر اُن علوم کی بالکل تعلیم نہیں دی جاتی جن سے معتدبہ فائدہ پہونچ سکتا ھے۔ یہہ تعلیم جو بالفعل ان کو دی جاتی ھے بسا اوقات اُن کے دماغ میں متکبرانہ خیالات پیدا کر دیتی ھے۔ ایک تعلیم یافتہ لیڈی جبکہ فرانسیسی زبان میں بون ژور (Bon Jour) یعنی گڈ مارننگ کھنا سیکھہ جاتی ھے تو وہ خیال کرتی ھے کہ میں عقل و تجربہ کے لحاظ سے اپنی ھمجولیون سے فایق ھو گئی ھون۔ اور اسکے بعد وہ اپنے خانگی کاروبار میں مشغول ھونا کسر شان سمجھتی ھے۔ وہ اپنی زندگی ناولوں اور فسانوں کے مطالعہ میں ضایع کرتی ھے، جن سے سوائے اسکے کچھہ بھی فائدہ نہیں ھوتا کہ اُسکے تخیل میں ایک لطیف عالم کی تصویر کھینچ دیتے ھیں جسکی وہ نہایت ذوق شوق سے سیر کرتی ھے اور اثنائے مطالعہ میں سگار پیتی جاتی ھے۔

اسوقت جو عورتیں تعلیم یافتہ کھلاتی ھیں وہ کسیقدر لکھنا پڑھنا جانتی ھیں میرے نزدیک صرف اسی قدر لکھنا پڑھنا سیکھہ لینا تعلیم کی انتہا نہیں ھے بلکہ یہہ ذرایع تعلیم

میں سے ایک ذریعہ ھے۔ باقی علوم جو انہوں نے حاصل کئے ہیں محض بیکار چیزیں ھیں
جو ابتدائی عمر میں حافظہ میں مجتمع ھو گئی تھیں اور اسکے بعد رفتہ رفتہ وہ تمام معلومات اُنکے
حافظہ سے نکل جاتی ھیں حتی کہ ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں رھتا۔ علمی حقائق کے مقابلہ
میں جو عقل کو قوت دیتے اور توھمات کے دفع کرنے میں اُس کو مدد پھونچاتے ہیں ان بیکار
باتوں کی کیا حقیقت ھے۔ جو چیز عملی عقل کے نام سے موسوم کی جاتی ھے اُسکی برابر
انسان کو کوئی چیز فائدہ نہیں پھونچا سکتی۔ عملی عقل سے میری مراد وہ قوت ھے جو
تخیل کے مقابلہ میں بولی جاتی ھے۔ صاحب تخیل ھمیشہ اپنے اوہام اور دور از کار خیالات
میں منہمک رھتا ھے اور کسی وقت بھی حق کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ وہ تمام مصیبتیں جو
انسان پر نازل ھوتی ھیں صرف خیال ہی کے دروازہ سے آتی ھیں۔ اور جب انسان
ان اوھام اور خیالات سے آزاد ھو جاتا ھے تو وہ سعادت و فلاح سے قریب ھو جاتا ھے
اور جسقدر وہ حقیقت سے دور ھوتا ھے اُسی قدر سعادت سے دور ھوتا ھے۔

حقیقت انسان کا ایک گم شدہ گوھر ھے جسکی تلاش اور جستجو میں بلا کسی قسم کی
کوتاھی اور قصور کے کوشش کرنا چاھیئے۔ یہہ ایک لازوال خزانہ ھے جس میں خداوند
تعالی نے انسان کی تمام اُمیدیں ودیعت رکھی ھیں، جو سوائے اُسکے کسی اور ذریعہ سے
حاصل نہیں ھو سکتیں۔ حقیقت آفتاب سعادت و اقبال کا مطلع انوار ھے اور وھی
صرف ایک ذریعہ ھے جس سے انسان اپنے عقلی اور ذاتی کمالات کے انتہائی
مدارج پر پہونچ سکتا ھے حقایق اور عقل سلیم حاصل کرنے کی ضرورت کے لحاظ سے
عورتیں بھی مردوں کے برابر ھیں جو اُن کی زندگی میں مفید کاموں کی طرف رھنمائی
کرنے والی ہیں۔

نا سمجھہ بچوں کو دیکھو اُن کی حالت پر غور کرو۔ تم کو معلوم ھوگا کہ وہ بھی خواہش اور نفرت،

محبت اور عداوت، رنج اور خوشی، کے آثار ظاہر کرتے ہیں، وہ بھی ہنستے اور روتے، مطمئن اور غضبناک ہوتے ہین مگر وہ ان تمام باتوں میں وہم سے متاثر اور خیال کے تابع ہوتے ہیں- اگر کسی بچہ کو اُس کی خواہش سے روک دیا جاتا ہے تو وہ اُس کے حاصل کرنے کی غرض سے صرف مکر وفریب اور جھوٹ کا استعمال کرتا ہے- اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہہ ہے کہ اُسکی عقل کمزور اور اُس کی معلومات نہایت ہی محدود ہیں- اُس کی عقلی قوتین اِس درجہ کو نہیں پہونچین کہ وہ اپنی خواہشات اور تکلیفات کے درمیان مقابلہ اور موازنہ کر سکے، جو بعض اوقات اُس کو صبر کی طرف رہنمائی کرے اور کبھی اُس کی مرغوب چیز کے حاصل کرنے میں صحیح وسائل استعمال کرنے کی تعلیم دے- جاہل عورتین بھی اِن تمام باتوں میں مثل بچوں کے ہین-

مردون نے عورتون کی طرف سے اپنا بھروسہ اور اعتبار بالکل اُٹھا لیا ہے- اُن کا اعتقاد ہے کہ عورتیں شیطان کا لشکر ہیں، جہاں کہیں دیکھو اُنکی عادتوں اور خصلتوں کی مذمت، ان کی عقلوں کی تنقیص کی جاتی ہے، اُن کی مکاری اور فریب بازی سے ڈرایا جاتا ہے- میں ان ناپسندہ عادات سے عورتون کو اس وقت بری کرنا نہین چاہتا- لیکن میں خیال کرتا ہون کہ اس کا الزام عورتوں کے ذمہ نہیں، بلکہ مردون کی گردن پر ہے- کیا ہم نے عورتون کی حالت سُدھارنے اور اون کی اصلاح کرنے کے متعلق کچھ کیا ہے؟ شریعت اور عقل نے عورتون کی تربیت اور اُن کے اخلاق کی تہذیب کا فرض جو ہمارے ذمہ ڈالا ہے کیا ہم نے اُس کو ادا کیا ہے؟ کیا یہ بات جائز ہے کہ ہماری عورتیں ایسی حالت مین چھوڑ دی جائین جو بہائم کی حالت سے کسی طرح اچھی نہیں ہے؟ کیا یہ درست ہے کہ ہماری قوم کے نصف افراد جہالت کی سخت تاریکیوں میں مقید رکھے جائیں اور اپنے گرد وپیش کی چیزون سے اُن کو بالکل واقفیت نہ ہو اور اُن کی ایسی

حالت ہو جیسی کہ قرآن مجید میں مذکور ہے "صم بکم عمی فھم لا یعقلون"؟ کیا اُن میں ہماری مائیں اور بہنیں، بیبیاں اور بیٹیاں نہیں جو ہماری دنیوی زندگی کی زیب و زینت ہیں۔ وہ ہمارے ایسے اجزا ہیں جن کا جدا کرنا ناممکن ہے کیا ہمارا خون اور گوشت پوست اُن کے خون اور گوشت سے بنا ہوا نہیں ہے؟ کیا مرد عورتوں کی اولاد اور عورتیں مردوں کی اولاد نہیں ہیں؟ کیا مرد درجہ کمال کو پہونچ سکتے ہیں جب کہ عورتیں ناقص رہیں؟ کیا مرد بغیر عورتوں کے سعادت حاصل کر سکتے ہیں؟۔

ہم اپنی عزیز قریب عورتوں کی محبت سے جو دنیا میں اعلیٰ ترین لذت ہے بالکل محروم ہیں۔

ہم میں سے ہر شخص اُس پر لطف ملاقات کی لذت سے واقف ہے، جبکہ دو سچے دوست نہایت محویت کے ساتھ آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ اُنکی روحیں ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہو جاتی ہیں اور اُن پر اسقدر محویت اور خود فراموشی طاری ہوتی ہے کہ وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اُنمیں سے کون شخص باتیں کر رہا ہے اور کون سن رہا ہے پس اگر کسی مرد اور اُس کی بہن یا ماں یا بیوی میں یہی توافق پایا جاوے تو اس میں شک نہیں کہ ملاقات کی خوشی دو چند سہ چند ہو سکتی ہے۔ مگر موجودہ حالت میں ہماری اور اُن کی عقلوں کے درمیان توافق نہیں ہے اسلئے ہم اُنکے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتے ہیں اور اُن کو معذور خیال کرتے ہیں۔ لیکن اُن کے ساتھ ہماری محبت کامل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کامل محبت کے لئے توافق کا ہونا لازمی ہے، جو بالفعل معدوم ہے۔

ہر ایک انسان اس بات کا محتاج ہے کہ وہ کسی کا عاشق ہو یا معشوق ہو خداوند تعالیٰ نے اپنی مہربانی اور فضل سے انسان کے پہلو میں مائیں اور بیویاں پیدا کیں اور اُس کے

دل میں اُن کی محبت اور اون کے دلوں میں اُسکی محبت پیدا کی، جو خدا کی تمام نعمتوں اور
احسانات میں سب سے بڑی نعمت اور اعلیٰ درجہ کا احسان ھے۔ کیونکہ یہ پاک صاف
اور کامل محبت اگر اپنے اصلی مصرف میں لائی جائے تو وہ دنیا کے قید خانے میں ھمارے
لئے باعث تسلی ھو سکتی ھے اور ان مصائب اور رنج والم کو آسان کر سکتی ھے جو بعض
اوقات بڑے بڑے زبردست لوگوں کو ناامیدی اور مایوسی کے درجہ کو پہونچا دیتے ھیں۔
پس ایسی گراں بہا نعمت کی پوری قدر نہ کرنا اور اُس کی نشوونما اور تکمیل سے غفلت کرنا بیشک
کفران نعمت ھے۔

ایک مشہور اعتراض باقی رہ گیا ھے جس کا جواب دینا نہایت ضروری ھے۔ کیونکہ
درحقیقت وھی ایک سبب ھے جس کو اکثر لوگوں نے اتفاق کر کے وضع کیا ھے اور عورتوں
کی تعلیم و تربیت کا مانع ٹھیرایا ھے اور وہ اس بات کا خوف ھے کہ تعلیم سے عورتوں کی اخلاق
فاسد ھو جاتے ھیں۔

اکثر مردوں کے ذھن میں یہ بات راسخ ھو گئی ہے کہ عورتوں میں تعلیم اور عفت کا جمع
ھونا ناممکن ھے۔ گذشتہ زمانہ کے لوگوں نے اس کی تائید میں بے شمار اقوال، عجیب
غریب حکایتیں، جھوٹے قصے اور بادر ھوا افسانے نقل کئے ہیں، جن سے عورتوں کے
ناقص العقل اور مکار ھونے پر استدلال کیا ھے۔ پس اگر ان کو تعلیم دی گئی تو اُن میں مکر و فریب
کی قوت بے انتہا ترقی کر جائیگی اور وہ اپنی نفسانی خواھشات کے پورا کرنے میں طرح طرح
کے مکر اور عجیب و غریب حیلے ایجاد کر سکینگی۔ اچھا فرض کرو کہ ھم بھی اسکو تسلیم کرتے ھیں
اور اس بات کا اعتقاد رکھتے ھیں کہ تعلیم عورت کے مکر و فریب کو اور زیادہ ترقی دے گی اور
ایک جدید ھتیار اُسکے حوالہ کرے گی جسکی مدد سے اُس کی خبیث طبیعت کو اور زیادہ تقویت
حاصل ھوگی۔

موجودہ حالت میں عورتوں کا ناقص العقل اور مکار ہونا بالکل بدیہی ہے جس سے کوئی شخص بھی اختلاف نہیں کرسکتا۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ یہہ بھی جہالت اور اختلاط کا ایک اثر ہے جس میں عورتیں سالہا سال تک مبتلا رہی ہیں۔ ہم یہ بھی ظاہر کر چکے ہیں کہ جب وقت سبب زائل ہو جائیگا تو مسبب بھی اُس کے ساتھہ ہی رخصت ہوگا۔ مگر ہم اس بات سے نہایت سختی کے ساتھہ انکار کرتے ہیں کہ تعلیم عورتوں کے اخلاق کو فاسد کر دیتی ہے۔ کیونکہ تعلیم اور خاصکر جبکہ اخلاقی تعلیم کے ساتھہ دی جاے تو وہ عورت کی عقل کو درجہ کمال پر پہونچانیوالی اور اُسکی وقعت اور اعتبار کو بڑھانے والی ہوگی، اور اس کو اس بات کی قابلیت عطا کرے گی کہ وہ اپنے تمام کار وبار کو غور و تامل اور دور اندیشی کے ساتھہ انجام دے۔ اگر کبھی ایسا اتفاق ہوا ہے کہ کوئی پڑھی لکھی عورت سیدھے رستہ سے منحرف ہوگئی اور اپنے محبوب سے عاشقانہ خطوط کا سلسلہ جاری کیا تو اس امر سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ ہزاروں جاہل عورتیں اپنے خاندانی ننگ و ناموس کو برباد کر چکی ہیں اور اُنکی اور اُنکے عاشقوں کے درمیان میں کوئی خادمہ یا پڑوس کی بڑھیا دلالہ تھی۔

اصل یہہ ہے کہ دل کی پاکیزگی بالکل ایک طبعی امر ہے پس اگر عورت صالح اور پارسا ہوگی تو علم سے اُسکی صلاح و تقوی اور پارسائی مین ترقی ہوگی اور اگر وہ بدکار اور فاجرہ ہوگی تو علم سے اُسکو فسق و فجور مین کچھہ اضافہ نہیں ہوگا۔ مردون کی حالت کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ کسی خاص قسم کی تعلیم سے چند لوگون کا گمراہ ہوجانا اس بات کی کافی وجہ نہیں ہوسکتی کہ اس کو بالکل ترک کر دیا جاے۔ خداوند تعالیٰ قرآن مجید کی شان میں فرماتا ہے کہ "یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا۔ وما یضل بہ الا الفاسقین"، یعنی "خدا اُس سے بہتیروں کو گمراہ کرتا اور بہتیرون کو ہدایت دیتا ہے"، لیکن اُس سے بدکارون ہی کو گمراہ کرتا ہے۔ یہہ بات ناممکن ہے کہ تعلیم کا اثر محض نقصان ہی نقصان ہو اور نہ یہہ بات ممکن ہے کہ

وہ حقیقی طور پر کسی نقصان کا منشاء ہو سکے۔ کیونکہ تعلیم یافتہ عورتیں جاہل عورتوں کی نسبت زیادہ دور اندیش اور انجام کی سوچنے والی ہوتی ہیں اور وہ جاہل عورتوں کے برخلاف جو بیشتر خفیف الحرکات اور چھچھوری ہوتی ہیں سہولت کے ساتھ ایسے قبیح حرکات کا اقدام نہیں کر سکتیں جو اُن کی عزت اور نیک نامی کو بٹہ لگانے والی ہوں میں اپنے گذشتہ بیان کی تائید میں ایک قابل لحاظ امر ذکر کرتا ہوں۔ وہ یہہ ہے کہ یورپین لیڈیاں خواہ اُن کی اندرونی حالت کیسی ہی ہو لیکن تاہم وہ بالعموم اپنی ظاہری حالت کی پوری حفاظت کرتی ہیں۔ ایک یورپین مرد کسی اجنبی لیڈی اور اُسکے خاوند کے ساتھ ہفتوں اور مہینوں رہتا ہے اور اُنکے درمیان کامل محبت ہوتی ہے مگر ممکن نہیں کہ اُن میں سے کسی شخص سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو سکے جو اُنکے خفیہ تعلقات کو ظاہر کرنے والی ہو۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ یورپین لیڈیاں جب اپنے ضروری کاروبار یا ہواخوری کیلئے بازاروں یا شاہراہوں میں نکلتی ہیں تو نگاہیں نیچی کئے ہوئے نہایت اطمینان اور وقار کے ساتھ خراماں خراماں چلتی ہیں۔ اگر وہ مردوں کیطرف نظر کرتی ہیں تو محض کن انکھیوں سے دیکھتی ہیں۔ مگر ہماری عفیف اور پارسا عورتوں کی باطنی حالت اکثر ظاہری حالت کی نسبت اچھی ہوتی ہے۔ جب کوئی عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو نہایت بدتمیزی کے ساتھ گردن موڑ کر دہنے بائیں دیکھتی چلتی ہے اور اُسکو مطلق شعور نہیں ہوتا کہ اس قسم کی حرکتیں جو محض بے تمیزی کی وجہ سے سرزد ہو رہی ہیں اُس کی آبرو کو دھبہ لگانے والی اور اُس کی قدر و قیمت کو گھٹانیوالی ہیں۔ ہمارے ملک کی عورتوں کی وہ جماعت جو ننگ و ناموس کو برباد اور عصمت و عفت کو خیرباد کھکر شہوانی جذبات کی مطیع و منقاد ہو چکی ہیں، ان سے عام گذرگاہوں اور پبلک مجمعوں میں ایسی نالائق اور خلاف تہذیب حرکات سرزد ہوتی ہیں جن کا بیان کرنے سے قلم بھی شرماتا ہے۔ حالانکہ یورپین ممالک کی اِس جماعت کی عورتیں بظاہر ایسی مہذب اور

شایستہ ہوتی ہیں جن کو عفیف اور پارسا عورتوں سے شناخت کرنا نہایت دشوار ہوتا ہے
اُن کی شناخت کرنے کے لئے صرف خاص خاص علامتیں مقرر ہیں جن کو صرف وہی
لوگ جانتے ہیں جو اوباشی کے فنون میں کمال رکھتے ہیں۔

سستی اور بیکاری جس سے ہماری عورتیں مالوف ہیں اور جو اُنکے لئے لازمہ
زندگی ہے میرے نزدیک تمام رذیل خصلتوں کی اصل اصول ہے جبکہ ہماری قوم کی عورتیں
نہ اپنے گھروں کے کاروبار انجام دیتی ہیں، اور نہ کسی قسم کی صنعت و حرفت اختیار کرتی ہیں،
نہ کوئی ہنر جانتی ہیں، نہ کوئی علمی مشغلہ رکھتی ہیں، نہ کسی کتاب کا مطالعہ کرتی ہیں اور نہ خدا
کی عبادت کرتی ہیں تو وہ کس کام میں اپنا وقت صرف کرتی ہیں؟ میں اس کا جواب عرض کرتا
ہوں اور غالباً میرے ناظرین بھی اس سے واقف ہونگے کہ ہماری قوم کے ادنیٰ و اعلیٰ
امیروں اور غریبوں، جاہلوں اور عالموں کی عورتیں جس کام میں دن رات مشغول رہتی ہیں
وہ صرف ایک ہے جو بیشمار شاخوں پر منقسم ہوتا ہے اور جو ہر آن ایک نئی شکل اختیار کرتا
ہے اور جو عورت کی رضامندی یا ناراضی کا باعث ہوتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ وہ زوجہ اور شوہر کا
باہمی تعلق ہے۔ کبھی وہ خیال کرتی ہے کہ شوہر مجھ سے نفرت رکھتا ہے کبھی گمان
کرتی ہے کہ وہ محبت رکھتا ہے۔ اور بعض اوقات اپنی ہمسایہ عورتوں کے خاوندوں کے
ساتھ اُسکا مقابلہ کرتی ہے اور اس سخت امتحان سے کامیابی یا ناکامی کی حالت میں نکلتی
ہے۔ کبھی اُس کی محبت و الفت کا امتحان کرتی ہے کہ آیا بدستور باقی ہے یا اُس میں
تغیر واقع ہو گیا ہے۔ کبھی ایسی تدبیروں کے سوچنے میں مصروف رہتی ہے کہ شوہر کا
دل اپنے تمام عزیزوں اور قرابت داروں سے برگشتہ ہو جائے اور بجائے محبت کے
اُنکی طرف سے نفرت پیدا ہو جائے۔ مگر ساتھ ہی اسکے گھر کی خدمت گارنیوں اور ماماؤں کے

ساتھہ جس قسم کا وہ برتاؤ رکھتا ھے نہایت مستعدی اور ھوشیاری کے ساتھہ اُس کی نگرانی کرتی ھے۔ اور جب ملاقات کی غرض سے برادری یا پڑوس کی عورتیں گھر میں آتی ھیں تو وہ ھر وقت اپنے شوھر کی نگاھوں کو تاڑتی رھتی ہے اور ھمیشہ اُسکی طرف سے مشکوک رھتی ھے منجملہ اُن وسایل احتیاط کی جن کو عموماً بیویاں اپنے شوھروں کی نسبت استعمال کرتی ھیں ایک یہہ ھے کہ جب کسی بیوی کو کوئی خادمہ یا ماما رکھنے کی ضرورت ھوتی ھے تو وہ نہایت تلاش اور جستجو کے بعد ایسی بدصورت اور کریہ المنظر بدشکل ماما نوکر رکھتی ھے جس سے اُسکو بالکل اطمینان ھو جائے کہ شوھر کا اُسکی طرف ھرگز میلان نہیں ھو سکتا ان تفکرات سے اُسکو صرف اُسی وقت آرام ملتا ھے جب کہ وہ اپنی ھمخیال اور رازدار عورتوں سے اُن کو بیان کر لیتی ھے اور جب وہ اُن خطرات کو عبارات میں بیان کر چکتی ھے تو پھر خیالات میں اُنکی تصویر کھینچتی ھے اور اسی طرح یہہ سلسلہ برابر جاری رھتا ھے۔ یہی وجہ ھے کہ جس وقت وہ اپنی ھمسایہ عورتوں یا سہیلیوں سے ملاقات کرتی ھے تو سرد آھیں بھرتی جاتی ھے اور وہ تمام معاملات جو اُس کے اور شوھر یا شوھر کے عزیزوں اور دوستوں کے درمیان ھوتے ھیں بیان کرتی جاتی ھے اور اپنی خوشی اور رنج کی تمام داستانیں اور وہ تمام راز جو اُس کے سینہ میں مخفی ھوتے ھیں پوست کندہ ظاھر کر دیتی ھے

یہہ اُن عورتوں کا حال ھے جو اپنے شوھروں کے ساتھہ محبت رکھتی ھیں۔ لیکن وہ عورتیں جن کو شوھروں کے ساتھہ محبت نہیں یا جن کی ابھی تک شادی نہیں ھوئی ھے اُن کی نسبت میں پھر سوال کرتا ھوں کہ وہ کس کام میں مشغول رھتی ھیں؟ پہلی قسم کی عورتیں ھمیشہ اس فکر میں مستغرق رھتی ھیں کہ موجودہ شوھر سے رھائی کی کوئی سبیل نکالیں اور کوئی دوسرا شوھر تلاش کریں۔ اور دوسری قسم کی عورتیں جن کی ابھی تک شادی نہیں ھوئی ھے وہ بھی

شوھر کی تلاش میں مصروف ھیں خواہ وہ کیسا ھی ھو۔ مگر وہ ایسے شخص کے انتخاب میں جو واقعی طور پر شوھر ھونے کی قابلیت رکھتا ھو پانچ منٹ بھی ضایع کرنا نہیں گوارا کرتیں۔ بلکہ وہ صرف مرد کی خواستگار ھوتی ھیں۔ یہہ امر ظاھر ھے کہ جس عورت کی حالت ایسی ھوگی اگر اُس کے اخلاق فاسد ھونگے تو وہ بدکاری کے کسی موقع کو بھی ھاتھہ سے نہ دیگی اور نہ وہ اُس شخص کے اخلاق و عادات سے بحث کرنے کی تکلیف گوارا کریگی جس کے سامنے وہ اپنے نفس کو پیش کرنا چاھتی ھے۔

تعلیم یافتہ عورتوں کی ایسی حالت نہیں ھوسکتی، بلکہ اُن کی حالت اس کے برعکس ھوگی۔ اگر تقدیری اتفاقات سے کوئی تعلیم یافتہ عورت سیدھے رستہ سے بھٹک نکلی اور بدکاری کی طرف مائل ھوگئی تو وہ سیکڑوں اور ھزاروں میں سے ایسا شخص انتخاب کرے گی جسکے اخلاق و عادات سے اُسکو پوری واقفیت ھو اور جس پر اوسکو پورا بھروسہ ھو تاھم وہ آسانی کے ساتھہ اپنے نفس کو اُسکے حوالہ نہ کردیگی بلکہ حتی الوسع اس خیال کے دبانے اور مغلوب کرنے میں کوشش کریگی اور ایک عرصہ کے بعد جس کی مقدار بحسب طبائع مختلف ھوتی ھے اپنے نفس کو اُسکے حوالہ کرے گی۔ مگر ھر حالت میں وہ بظاھر اپنی عفت اور پاکدامنی کی پوری حفاظت کرے گی۔ اور اپنے راز کو خاص الخاص شخصوں سے بھی محفوظ رکھے گی۔

ان تمام امور میں جیسا کہ میں اوپر بیان کرچکا ھوں اُن اخلاق و عادات پر دارومدار ھے جن کے مطابق عورت نے اپنی ابتدائی تربیت میں نشو و نما پائی ھے۔ پس اگر وہ اس بات کی خوگر ھے کہ اپنا وقت مفید کتابوں کے مطالعے اور خانگی کاروبار میں صرف کرے اور اُس کی تربیت ایسے خاندان میں ھوتی ھے جس میں کوشش اور استقلال، عفت اور پاک دامنی کے نمونے

اُس کی نظر سے گذرے ھیں اور ایسے خیالات سے جو ناقص اثر ڈالتے اور فاسد رغبتوں کو بھڑکاتے ھیں اُسکا دماغ پاک رھا ہے اور نیز اُسکو اس بات کا عادی کیا گیا ھے کہ وہ اپنی جسمی قوتوں سے حاکم عقل کی نگرانی میں کام لے سکتی ھے تو نہایت ھی شاذ و نادر اتفاق ھو سکتا ھے کہ وہ سیدھے رستہ سے گمراہ ھو جاوے اور اپنی نفسانی خواھشات کی مطیع و منقاد ھو کر روحانی تکلیف اور ندامت گوارا کرے۔

غرضکہ ھمارے نزدیک عورتوں کی عقلی اور اخلاقی قوتوں کی تربیت کرنا اُن کی حفاظت اور صیانت کا بھترین ذریعہ ھے۔ مگر جہالت کے ذریعہ سے کسی طرح حفاظت نہیں ھو سکتی بلکہ عقلی او اخلاقی تربیت اس بات کا سب سے عمدہ ذریعہ ھے کہ ھماری قوم میں ایسی عورتیں پیدا ھوں جو اپنی عزت و شرف کی قدر و قیمت پہچانتی ھوں اور اُسکی حفاظت کا طریقہ جانتی ھوں جو لوگ اپنی عورتوں کی جہالت پر بھروسہ کرتے ھیں میرے نزدیک اُن کی مثال ایک اندھے کی مثال ھے جو دوسرے اندھے کو لئے جاتا ہے جن کا انجام بھی نظر آتا ھے کہ وہ بالضرور اس گڈھے میں گر پڑینگے جو راہ میں سب سے اول اون کو ملیگا۔

الحجاب

چار سال گذرے ھیں کہ میں نے فرانسیسی زبان میں ایک کتاب شایع کی تھی جسمیں ڈیوک ڈارکر کے خیالات کی تردید کی تھی اور اجمالی طور پر پردہ کے فضائل بیان کئے تھے۔ کتاب مذکور میں میںنے اس بات پر بحث نہین کی تھی کہ پردہ کیا چیز ھے اور وہ کس حد تک رھنا چاہئے اب میں چاھتا ھوں کہ ان امور کو معرض بحث میں لاؤں۔

شاید بعض ناظرین یہہ خیال کریں کہ میں پردہ کو بالکل اٹھا دینا چاھتا ھوں، نہیں بلکہ

امر واقعی اسکے برخلاف ھے۔ کیونکہ مین ھمیشہ سے پردہ کی تائید کر رھا ھوں اور اُسکو ایک نہایت ضروری اخلاقی اصول خیال کرتا ھون جس پر قایم رھنا لابدی ھے۔ مگر مین یہہ چاھتا ھوں کہ وہ اسلامی شریعت کے اصول پر منطبق ھونا چاھئے۔ جو پردہ آج کل ھماری قوم مین جاری ھے وہ شرعی پردہ کے برخلاف ھے۔ چونکہ مسلمانوں کو عورتوں کے معاملات میں حد سے زیادہ احتیاط کرنے کا شوق ھے، اور وہ نہایت مبالغہ کے ساتھہ اُن احکام پر چلتے ھیں جن کو وہ فقہی احکام خیال کرتے ھیں، اس لئے وہ شریعت کی حدود سے بہت آگے بڑہ گئے ھیں اور قومی منفعتوں کو انھوں نے سخت نقصان پھونچایا ھے۔

اس موضوع میں میری ذاتی راے یہہ ھے کہ یورپین قوموں نے عورتوں کی آزادی اور بے پردگی میں حد سے زیادہ غلو کیا ھے۔ ایسی حالت میں عورتوں کا نفسانی خواھشات سے بچنا اور عفت اور پاکدامنی کے اصول پر قایم رھنا نہایت مشکل ھے، اور نہ اس کو شرم و حیا کی خصلت جائز رکھتی ھے۔ اسی طرح ھم نے بھی عورتون کو پردہ میں رکھنے اور مردوں کی نظر و ان سے اُنکو بچانے میں اسقدر مبالغہ کیا ھے کہ وہ اِن تمام عقلی اور اخلاقی کمالات سے محروم ھو گئی ھیں، جو قدرت نے بلحاظ انسانی فطرت کے اُن کی ذات میں ودیعت رکھے تھے۔ اِن دونوں افراط و تفریط کی حالتوں کے بین بین ایک متوسط حالت ھے جس کو ھم بیان کرین گے وہ شرعی پردہ ھے۔

مین خیال کرتا ھوں کہ وہ ناظرین جو عورتوں کی تربیت کی نسبت میری رایون کو تسلیم کرتے چلے آئے ھیں، اس مرکز پر پھونچکر اپنی پوری قوت کے ساتھہ میرے مقابلہ پر آمادہ ھونگے، کیونکہ مین موجودہ پردہ کو اُس کے شرعی حدود پر واپس لانا چاھتا ھوں، اور اس مقابلہ میں اُن تمام اوھام سے مدد لیکر جو سالہا سال سے اُن کے ذھن میں مجتمع ھو رھے ھیں

پردہ کی عادت کی جوان کی طبیعت میں مستحکم ہو رہی تائید کرینگے لیکن وہ کیسی ہی زبردست
قوت کے ساتھہ اُسکی تائید کریں اور اُسکی حفاظت میں کیسی ہی محنت اور کوشش صرف کریں
تاہم وہ عادت زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہ سکتی۔

ایسی عمارت کی حفاظت میں دلیری اور استقلال کے ساتھہ کوشش کرنا کیا فائدہ
پہونچا سکتا ہے، جس کی بربادی اور تباہی کے دن قریب آ لگے ہیں، جس کی بنیاد
بوسیدہ اور کمزور ہو گئی ہے، جسکے در و دیوار کے جوڑ بند ڈھیلے ہو گئے ہیں، جسکے اضمحلال کی
یہانتک نوبت پہونچ گئی ہی کہ ہر سال اُس کا ایک حصہ منہدم ہو جاتا ہے ؟ کیا یہہ بات صحیح
نہیں ہے کہ اِس وقت پردہ کی وہ سختی باقی نہیں رہی ہے جو بیس برس پیشتر تھی؟ کیا یہہ
بات نہیں دیکھی جاتی کہ اکثر خاندانوں کی عورتیں اپنے ضروری کاروبار کے لئے گھروں کی
چاردیواری سے باہر نکلنے لگی ہیں، اور مردون کے ساتھہ بذات خود خرید و فروخت کا معاملہ
کرتی ہیں اکثر عورتیں جب کہ مطلع صاف اور ہوا لطیف اور پاکیزہ ہوتی ہے سیر و تفریح اور
ہوا خوری کے لئے نکلنے لگی ہیں، اور نیز اپنے شوہرون کے ساتھہ دور دراز ملکوں میں
سفر کرتی ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ یہہ عظیم الشان انقلاب اُن خاندانوں میں پیدا ہوا ہے
جو عورتوں کے باہر نکلنے کے نہایت سختی کے ساتھہ مخالف تھے۔ اگر ہم عورتوں کی
موجودہ حالت کو گذشتہ قریب زمانہ کی حالت کے ساتھہ مقابلہ کریں جب کہ عورت
کے لئے اپنے شوہر کے گھر سے باہر نکلنا یا اُس کے قد کی درازی پر اجنبی مرد کی
نظر پڑنا معیوب سمجھا جاتا تھا، اگر کوئی ضروری اور لابدی سفر پیش آتا تو عورتیں رات کو سفر
کرتی تھیں تاکہ وہ اجنبی مردون کی نگاہوں سے محفوظ رہیں، جب کہ مائیں اور بہنیں
اور بیٹیاں مردوں کے ساتھہ ایک دسترخوان پر بیٹھکر کھانا کھانا معیوب خیال کرتی تھیں

تو بلاشک وشبہ ہم کو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہہ عادت خود بخود زوال پذیر ہورہی ہے۔

جو لوگ قوموں کی تاریخ سے واقفیت رکھتے ہیں انکو معلوم ہے کہ پردہ عورت کی زندگی کا ایک تاریخی دور ہے۔ لاروس لفظ خمار (یعنی اوڑھنی) کے تحت میں لکھتا ہے کہ "یونانی عورتیں جب اپنے گھر سے باہر نکلتی تھیں تو اُسکا استعمال کرتی تھیں اور اُسکے ایک آنچل سے اپنا منہ چھپا لیتی تھیں" آگے چل کر لکھتا ہے کہ "عیسائی مذہب نے عورتوں کو اُنکی اوڑھنی حوالہ کی اور جن جن ممالک میں وہ داخل ہوا اُس کی حفاظت کی۔ عیسائی عورتیں جبکہ شاہراہوں میں نکلتی تھیں یا جب وہ نماز پڑھتی تھیں تو اُس سے اپنا منہ چھپا لیتی تھیں۔ قرون متوسطہ اور خصوصاً نویں صدی میں بھی اوڑھنی کا استعمال جاری تھا۔ اوڑھنی عورت کے دونوں کندھوں کو محیط ہوتی تھی اور تقریباً زمین پر کھینچی جاتی تھی۔ تیرھویں صدی تک یہی دستور برابر جاری رہا اسکے بعد رفتہ رفتہ اس میں تخفیف ہونی شروع ہوئی اور اُس حالت تک نوبت پہونچ گئی جو اسوقت موجود ہے یعنی ایک باریک اور مہین کپڑا گرد سے حفاظت کے واسطے منہ پر ڈال لیا جاتا ہے۔ مگر اوڑھنی کی یہہ رسم اسپین اور اُس کے امریکن مقبوضات میں تیرھویں صدی کے بعد بھی ایک عرصہ تک جاری رہی"

اس سے ناظرین کو غالباً معلوم ہوگا کہ اس وقت جو پردہ مسلمانوں میں جاری ہے وہ صرف اُنہیں کے ساتھہ مخصوص نہیں اور نہ انکا ایجاد ہے بلکہ یہہ قدیم زمانے کی ایک مشہور و معروف رسم ہے جو تقریباً دنیا کی تمام قوموں میں جاری تھی پھر رفتہ رفتہ دنیا میں جسقدر تہذیب اور شائستگی پھیلتی گئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اُسی قدر یہہ رسم بھی زوال پذیر ہوتی گئی اس اہم مسئلہ پر ہم کو مذہبی اور تمدنی دونوں پہلوؤں سے بحث کرنا لازمی ہے۔

اول ھم مذھبی حیثیت سے اس پر بحث کرتے ھیں۔

اگر اسلامی شریعت میں ایسی قطعی نصوص موجود ھوتیں جن سے ھمارا موجودہ پردہ نکل سکتا، جو اسوقت بعض مسلمانوں میں جاری ھے، تو مجھکو اس مسئلہ میں بحث کرنے سے اجتناب لازم ھوتا اور موجودہ پردہ خواہ کتنا ھی مضر ھوتا تاھم میں ان قطعی نصوص کے برخلاف ایک حرف بھی لکھنا گوارا نہ کرتا کیونکہ احکام خداوندی کو بغیر کسی قسم کی بحث اور مناقشہ کے تسلیم کرنا اور ان پر اعتقاد رکھنا واجب ھے مگر ھم دیکھتے ھیں کہ شریعت میں ایک نص بھی ایسی موجود نہیں ھے جس سے ھمارا موجودہ پردہ نکل سکتا ھو بلکہ یہ ایک عادت ھے جو بعض اجنبی قوموں کے ساتھ میل جول کرنے سے ان پر مسلط ھوگئی ھے مسلمانوں نے اسکو پسند کیا اور نہایت سختی کے ساتھ اس پر عمل کرنے لگے اور پھر رفتہ رفتہ جس طرح اور تمام مضر عادتیں مذھبی پیرایہ اختیار کرکے مسلمانوں میں راسخ ھوگئی ھیں، اسی طرح اس عادت کو بھی مذھبی لباس پہنا کر مذھب میں شامل کرلیا گیا، حالانکہ مذھب میں اس قسم کی عادات کی کچھ بھی اصل نہیں۔ اسلئے ھم کو کوئی وجہ معلوم نہیں ھوتی کہ ھم اس مسئلہ میں بحث نہ کریں۔ بلکہ ضروری معلوم ھوتا ھے کہ اس بارہ میں اسلامی شریعت کا حکم صاف صاف بیان کردیں اور اس میں تغیر و تبدل ھونے کی ضرورت کو ثابت کریں۔

قرآن مجید میں وارد ھوا ھے کہ "اے پیغمبر مسلمانوں سے کہو کہ

قل للمؤمنین یغضوا من	اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاھوں کی حفاظت کریں
ابصارھم و یحفظوا فروجھم	اس میں ان کی زیادہ صفائی ھے۔ جو کچھ بھی وہ کرتے ھیں
ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیر	اللہ کو سب خبر ھے۔
بما یصنعون و قل للمؤمنات	
یغضضن من ابصارھن	اور اے پیغمبر مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں

وليحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها وليضربن بخمرهن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن الا لبعولتهن او آبائهن او آباء بعولتهن او ابنائهن او ابناء بعولتهن او اخوانهن او بني اخوانهن او بني اخواتهن او نسائهن او ما ملكت ايمانهن او التابعين غير اولي الاربة من الرجال او الطفل الذين لم يظهروا على عورات النساء ولا يضربن بارجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن

اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو چار و ناچار کھلا رہتا ہے اور اپنے سینوں پر دوپٹوں کا بکل مارے رہیں اور اپنی زینت کے مقامات کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنی بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنے میل جول کی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال (یعنی لونڈی غلاموں) پر یا گھر کے لگے ہوئے ایسے خدمتیوں پر کہ مرد تو ہیں مگر عورتوں سے کچھ غرض و مطلب نہیں رکھتے (جیسے خواجہ سرا یا بڈھے پھوس) یا لڑکوں پر جو عورتوں کی پردے کی بات سے آگاہ نہیں ہیں اور چلنے میں اپنے پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ لوگوں کو انکے اندرونی زیور کی خبر ہو"

شریعت نے اس آیت میں عورتوں کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے بدن کے بعض اعضا اجنبی مرد کے سامنے ظاہر کر سکتی ہیں مگر اس نے ان اعضا کی تشریح اور تعیین نہیں کی۔ علما فرماتے ہیں کہ وہ ان اعضا کا سمجھنا اور انکی تعیین کرنا جو اس آیت میں مستثنیٰ کئے گئے ہیں اس عادت پر منحصر رکھا گیا ہے جو خطاب کے وقت جاری تھی، مگر

ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ وجہ اور کفین اُن اعضا میں داخل ہیں جو اس آیت میں مستثنیٰ کئے گئے ہیں۔ اور ذراعین اور قدمین وغیرہ دیگر اعضا کی نسبت اختلاف ہے۔

ابن عابدین نے لکھا ہے کہ "آزاد عورت کا تمام بدن عورت ہے حتیٰ کہ اُس کے سر کے بال بھی عورت ہیں، سوائے وجہ اور کفین اور قدمین کے معتبر مذہب کے مطابق۔ اور عورت کی آواز مذہب راجح کے مطابق اور اُس کے دونوں ہاتھ مذہب مرجوح کے مطابق۔ نوجوان عورت کو منہ کھولنے سے اس وجہ سے نہیں منع کیا جاتا کہ وہ عورت ہے بلکہ صرف فتنہ کے خوف سے منع کیا جاتا ہے، اور اسی وجہ سے مس کرنے کی ممانعت کی جاتی ہے اگرچہ شہوت سے امن ہو اسلئے کہ یہ نہایت نامناسب ہے، اور اسی لئے اُس کی وجہ سے مصاہرۃ کی حرمت ثابت ہوئی ہے جیسا کہ حرمت میں بیان کیا جائیگا۔ عورت اور نیز امرد کے منہ کی طرف شہوت کے ساتھ نظر کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اگر شہوت کا گماں ہو تو انکی طرف نظر کرنا حرام ہے۔ مگر بدون گمان شہوت کے مباح ہے اگرچہ وہ حسین اور جمیل ہوں"

کتاب الروض میں جو مذہب شافعی کی ایک مشہور کتاب ہے لکھا ہے کہ "جس وقت فتنہ کا خوف نہ ہو تو مرد کو عورت کے منہ اور دونوں ہتھیلیوں کی طرف نظر کرنا اور عورت کو مرد کے انہیں اعضا کی طرف نظر کرنا جائز ہے۔ اور نیز معاملہ کے وقت اور اُسکی طرف سے گواہی نقل کرنے کے وقت بھی عورت کا منہ دیکھ لینا جائز ہے۔ اور اداے شہادت کے وقت اُس کو منہ کھولنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے"[*]

تبیین الحقایق شرح کنز الدقائق میں جو عثمان بن علی الزیلعی کی تصنیف ہے لکھا ہے کہ "آزاد عورت کا تمام بدن عورت ہے مگر وجہ اور کفین اور قدمین، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا

* کتاب الروض صفحہ ۳۳۹ جلد اول۔

ہے (ولا یبدین زینتھن الا ما ظہر منہا) اس آیت میں "زینت" سے محل زینت اور "ما ظہر منہا" سے منہ اور دونوں ہتھیلیاں مراد ہیں۔ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ اور مختصر میں تینوں اعضا مستثنے کئے گئے ہیں کیونکہ ان کے کھولنے کی عموماً ضرورت پیش آتی ہے اور نیز اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے والی عورت کو دستانے پہننے اور نقاب ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ پس اگر وجہ اور کفین عورت ہوتی تو سلے ہوئے کپڑے سے ان کا چھپانا ممنوع نہ ہوتا۔ قدمین کی نسبت دو روایتیں ہیں مگر اصح یہہ ہے کہ وہ عورت نہیں ہیں کیونکہ ان کو مجبوراً ظاہر کرنا پڑتا ہے[۱]"

وجہ اور کفین کے نسبت یہہ حکم کہ وہ عورت نہیں ہیں حنابل اور موالک کے نزدیک بھی مشہور ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم ان دونوں مذہبوں کے علماء کے اقوال نقل کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اسماء بنت ابی بکر الصدیق ہہیں اور باریک کپڑے پہنے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے اسماء جب لڑکی جوان ہوجائے تو مناسب نہیں ہے کہ (وجہ اور کفین کی طرف اشارہ کرکے) اسکے اور اسکے سوا اس کے بدن کا کوئی عضو کھلا رہے۔

نواب محمد صدیق حسن خان بہادر کی کتاب حسن الاسوۃ میں لکھا ہے کہ وہ عورت کو ان اعضا کے کھولنے کی اس وجہ سے اجازت دی گئی ہے کہ اس کو بہت سے کاروبار اپنے ہاتھوں سے انجام دینے پڑتے ہیں اور اکثر صورتوں میں خاص کر ادائے شہادت اور

[۱] صفحہ ۳۳۶ جلد ۱۔

محاکمہ اور نکاح کے وقت اُس کو منہ کھولنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور راستوں میں چلنے کے لئے قدموں کے ظاہر کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور بالخصوص مفلس اور نادار عورتیں۔*

اسلامی شریعت نے جسقدر حقوق مردوں کو دیئے ہیں اُسی قدر عورتوں کو بھی عطا کئے ہیں انکو بھی اُنکے تمام اچھے اور بُرے کاموں کا ذمہ دار اور جوابدہ ٹھیرایا ہے اُنکو اختیار دیا ہے کہ وہ جسطرح چاہیں اپنے ملک میں تصرف کر سکتی ہیں، ہر قسم کی خرید و فروخت اور بیع و رہن کے معاملات انجام دے سکتی ہیں پس کس طرح ممکن ہے کہ عورت کی صورت دیکھنے اور اُس کو شناخت کرنے کے بغیر کوئی شخص اُسکے ساتھہ کسی قسم کا معاملہ کر سکے۔

عورت کی شناخت کے لئے ایک عجیب و غریب طریقہ استعمال کیا جاتا ہے کہ وہ سر سے پاؤں تک کپڑے لپیٹے ہوے سامنے آتی ہے یا دروازہ میں یا پردہ کے پیچھے کھڑی ہو جاتی ہے اور مرد سے کہا جاتا ہے کہ یہہ فلاں عورت ہے جو تیرے ساتھہ اپنا گھر بیچنا چاہتی ہے یا نکاح کرنے کے لئے تجھکو اپنا وکیل مقرر کرنا چاہتی ہے، پس عورت اقرار کرتی ہے کہ میں نے اپنا گھر بیچ دیا یا وکیل مقرر کیا اور دو اجنبی یا رشتہ دار شخصوں کی شہادت سے اس امر کا کافی ثبوت سمجھا جاتا ہے کہ یہہ وہی عورت ہے جس نے اپنا گھر بیچا ہے یا وکیل مقرر کیا ہے حالانکہ بے شمار عدالتی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں دغا اور فریب کا استعمال کرنا نہایت آسانی کے ساتھہ ممکن ہے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ بارہا عورت کا نکاح بغیر اُس کے علم اور اجازت کے ہو گیا ہے، بغیر اُسکی اطلاع کے اُس کی جائداد اجارہ پر دی گئی ہے، بلکہ وہ بوجہ اپنی جہالت کے بارہا اپنی تمام جائداد اور املاک سے ہاتھہ دھو بیٹھی ہے۔ اور یہہ تمام خرابیاں اس

* صفحہ ۹۲-

وجہ سے پیدا ھوئیں ھیں کہ عورتوں کو پردہ میں ڈال کر اُنکے تمام کاروبار مردوں نے اپنے ھاتھوں میں لے لئے ھیں۔

پردہ نشین عورت سے کس طرح ممکن ھے کہ اپنی گذراوقات کے لیے کوئی پیشہ یا کسی قسم کی تجارت کر سکے (اگر وہ محتاج ھو)؟ پردہ نشین خادمہ سے کس طرح ھو سکتا ھے کہ وہ ایسے گھر کی خدمت کر سکے جس میں مرد بھی ھوں؟ کاشتکار عورت سے کیونکر ممکن ھے کہ وہ پردہ کی حالت میں اپنی کھیتی کے کاروبار کو انجام دے سکے؟

اس عالم کو خداوند تعالی نے پیدا کیا ھے اور اُس میں نوع انسان کو اس بات کی قدرت عطا فرمائی ھے کہ جہاں تک اُس کی قوتیں یاری دیں دنیا کی منفعتوں سے حصہ لے سکے اُس نے عالم میں تصرف کرنے کے لئے ایسی حدود جن سے تجاوز نہیں ھو سکتا قرار دی ھیں۔ ان حدود پر قایم رھنے اور حقوق سے فائدہ اُٹھانے میں عورتوں اور مردوں کو مساوات کا درجہ عطا فرمایا ھے۔ نہ اُس نے ان دونوں جنسوں میں دنیا کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کیا ھے اور نہ زمین کا ایک حصہ عورتوں کیلئے اور دوسرا مردوں کیلئے مخصوص کیا ھے کہ وہ ایک دوسرے سے بالکل الگ رہ کر کاروبار کریں اور فائدہ اُٹھائیں۔ بلکہ بغیر کسی قسم کی امتیاز اور خصوصیت کے زندگی کے کاروبار کو دونوں جنسوں میں مشترک رکھا ھے تاکہ ھر شخص اپنی قوت اور استطاعت کے موافق فائدہ حاصل کر سکے۔ پس اگر عورتوں پر اُن کے چند محرموں کے سوا اجنبی مردوں کی نظر پڑنا حرام قرار دیا جاوے تو ایسی حالت میں کس طرح ممکن ھے کہ وہ اپنی زندگی اور حواس اور قویٰ سے وہ کام لے سکیں جن کے لئے وہ عطا کئے گئے ھیں، یا دنیا میں جو اُن کے اور مردوں کے درمیان مشترک رکھے گئے ھیں کاروبار انجام دے سکیں بے شک یہہ ایک ایسی بات ھے جس کو نہ شریعت گوارا کرتی ھے اور نہ عقل اُسکو تسلیم

کر سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے اکثر طبقوں میں ضرورت نے
اس قسم کا پردہ باقی نہیں رکھا، جیساکہ اکثر خدمت پیشہ یا محنت مزدوری کرنے والے اور متوسط
طبقہ کے دیہات کی رہنے والی بلکہ بعض اعلیٰ طبقہ کی عورتوں میں دیکھا جاتا ہے۔ حالانکہ
یہ سب مسلمان ہیں بلکہ وہ شہریوں کی نسبت مذہبی عقائد پر زیادہ سختی کے ساتھ
ثابت قدم ہوتی ہیں۔

جب کوئی عورت بحیثیت فریق مقدمہ یا بطور گواہ کے عدالت میں پیش ہوتی ہے
تو اس کو اپنا منہ چھپانا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ سالہا سال گذر چکے ہیں کہ مقدمات
لڑانے والے بلکہ خود جج بھی اس اہم مسئلہ کی ضروریات سے غافل ہیں، اس مسئلہ میں
جو بات لازم اور واجب ہے اُس کی طرف سے وہ تساہل کرتے ہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے
محض رسم و رواج کو تسلیم کر کے اپنی عدالتوں میں اس بات کی اجازت دے رکھی ہے کہ عورتیں
خواہ وہ بحیثیت مدعی یا مدعا علیہ خواہ بطور گواہ کے پیش ہوں اُن کو اپنا منہ چھپا لینے کا اختیار
ہے حالانکہ اس میں سراسر نقصان ہے۔ کیونکہ بغیر منہ کھولنے کے کسی عورت کی پوری طرح
شناخت نہیں ہو سکتی اور ایسی حالت میں نہایت آسانی کے ساتھ فریب اور جعل سازی
ممکن ہے۔ ہر ایک مرد جب کسی عورت کے مقابلہ میں بطور مدعی یا مدعا علیہ کے کسی عدالت
میں پیش ہوتا ہے تو اُسکو اس امر کی نہایت ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے فریق مخالف
کو اچھی طرح پہچانے۔ اس میں اُسکو بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں منجملہ اُنکے
ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ صحت کے ساتھ اُس کے قول سے استدلال کر سکتا
ہے۔ میں ہرگز نہیں خیال کر سکتا کہ جج کو کسی منہ چھپانے والی عورت کے حق میں ڈگری
یا ڈسمس کرنا یا اُسکی شہادت کی سماعت کرنا مناسب ہے۔ بلکہ میرے نزدیک جج کو اُسکا

منہہ دیکھنا نہایت ضروری اور لازمی بات ھے اور خاصکر فوجداری کے مقدمات میں۔ اگر یہہ نہیں ھے تو لوگوں کا نام اور ولدیت اور سکونت اور پیشہ اور عمر پوچھنے سے کیا فائدہ حاصل ھو سکتا ھے، جبکو شریعت اور قانون نے لازمی قرار دیا ھے۔ اگر شخص بذات خود مجہول ھو تو ان امور کی واقفیت کیا فائدہ پھونچا سکتی ھے۔

شریعت نے عورت کو ادائے شہادت کے وقت منہہ کھولنے پر مجبور کیا ھے اس میں یہہ حکمت ملحوظ رکھی گئی ھے کہ جو علامات اس کے چہرہ پر ظاھر ھوں قاضی انکو دیکھہ سکے اور اُسکی حرکات و سکنات پر غور کر سکے اور ان تمام امور کو پیش نظر رکھکر صحت کے ساتھہ شہادت کی جانچ کر سکے۔

اس میں شک نہیں کہ پردہ کے وہ تمام نقصانات جو ھم نے بیان کئے ھیں وہ اسلامی شریعت کی اس حکمت میں مندرج ھیں کہ اُس نے عورتوں کے لئے منہہ اور دونوں ہاتھوں کا کھولنا مباح قرار دیا ھے اور ھم اس سے زیادہ اور کچھہ نہیں چاھتے

تمام مذاھب کے ائمہ نے اس امر پر اتفاق کیا ھے کہ منگنی کرنیوالے کے لئے اُس عورت کا دیکھہ لینا جائز ھے جس کے ساتھہ وہ شادی کرنا چاھتا ھے، بلکہ اُسکو ایک امر مستحب اور مستحسن قرار دیا ھے۔ اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ھے کہ آپ نے ایک انصاری سے جو ایک عورت سے منگنی کرنا چاھتا تھا فرمایا کہ "تونے اُسکو دیکھہ بھی لیا ھے"؟ اُسنے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اُسکو دیکھہ لے کیونکہ اس سے تمہارے رشتۂ محبت والفت کو استحکام ھوگا۔

غرضکہ قرآن مجید کی آیتوں اور احادیث کی روایتوں اور فقہاء کے اقوال سے نہایت وضاحت کے ساتھہ ثابت ھوتا ھے کہ خداوند تعالٰی نے عورتوں کے لئے

منہہ اور دونوں ھاتھوں کا کھولنا مباح قرار دیا ھے، اور اس میں جو حکمتیں ھیں اُن کا دریافت کر لینا ھر ایک عقلمند شخص کو کچھہ بھی مشکل نہیں۔

اسلامی شریعت کا یہہ حکم بالکل آسانی پر مبنی ھے، اس میں کچھہ بھی دشواری نہیں ھے نہ عورتوں پر اور نہ مردوں پر۔ اور نہ یہہ حکم دونوں فریقوں کے درمیان کوئی حجاب حائل کرتا ھے جس کی وجہ سے معاملات میں کسی قسم کا حرج واقع ھو یا شرعی فرائض کے ادا کرنے اور کاروبارِ زندگی کے انجام دینے میں کوئی تکلیف ھو۔

بعض لوگ دعوی کرتے ہیں کہ عورتوں کے لئے منہہ چھپانا ادب میں داخل ھے مگر میرے نزدیک یہہ دعوی بھی صحیح نہیں ھے، کیونکہ اسکی تائید میں کوئی دلیل نہیں بیان کی جاسکتی۔ منہہ کے چھپانے اور کھولنے کو ادب کے ساتھہ کیا تعلق ھے؟ اور کس اصول کے مطابق عورتوں اور مردوں کے درمیان یہہ فرق قائم کیا گیا ھے؟ فی الحقیقت ادب عورتوں اور مردوں کے لئے ایک ھے خواہ وہ عورتوں کی طرف منسوب کیا جائے یا مردوں کی طرف اُس میں کوئی فرق نہیں ھو سکتا۔

عورتوں کے منہہ چھپانے کی تائید میں جسقدر مضامین لکھے جاتے ھیں تقریباً اُن کی ھر ھر سطر میں فتنہ کا خوف بڑی آب وتاب کے ساتھہ دکھلایا جاتا ھے۔ مگر یہ ایک ایسی بات ھے جو صرف اُن مردوں کے دلوں سے تعلق رکھتی ھے جن کو مفتوں ھو جانے کا خوف ھے۔ نہ اُس کی ذمہ داری عورتوں کی طرف عائد ھو سکتی ھے اور نہ وہ اس خوف سے گھروں کی چار دیواری میں مقید کی جاسکتی ھیں۔ ھاں جن مردوں یا عورتوں کو فتنہ کا خوف ھو اُن کو چاھئے کہ اپنی نگاھیں نیچی رکھیں۔ قرآن مجید کی آیت میں نگاھیں نیچی کرنے کا جو حکم وارد ھوا ھے وہ عورتوں اور مردوں دونوں فریقوں کو یکساں طور پر

حکم دیا گیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کی نسبت عورتوں کو اپنا منہہ چھپانا کچھ زیادہ ضروری نہیں ہے۔

کیسے تعجب کی بات ہے کہ مردوں کو برقع پہننے اور عورتون سے اپنا منہہ چھپانے کا حکم نہیں دیا گیا جبکہ ان پر عورتوں کے مفتوں ہو جانے کا خوف ہو۔ کیا مردوں کا عزم اور استقلال عورتوں کی نسبت کمزور سمجھا گیا ہے ؟ کیا مرد اپنی نفسانی خواہشات کے روکنے اور جذبات کے دبانے میں ضعیف سمجھے گئے ہیں ؟ اور ان تمام امور میں عورتیں قوی خیال کیگئی ہیں ؟ اسلئے کہ مردوں کو اجازت دیگئی ہے کہ وہ خواہ کتنے ہی حسین اور جمیل ہوں عورتوں کے سامنے اپنا منہہ کھول سکتے ہیں ، مگر عورتوں کو مردوں کے روبرو اپنا منہہ کھولنے کی قطعی ممانعت کیگئی ہے تاکہ کسی عورت کو دیکھکر خواہ وہ کیسی ہی بدصورت اور کریہ المنظر ہو نفسانی خواہشات کی باگ عقل کے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے اور مرد اس پر فریفتہ نہ ہو جائے۔ اگر کوئی شخص اس کو صحیح سمجھتا ہے تو یہ ہمارے نزدیک اس امر کا اعتراف ہے کہ مردوں کی نسبت عورتون کی استعداد زیادہ اکمل ہے۔ پس اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ مردوں کی قید میں کیوں رکھی گئی ہیں ؟

علاوہ ازیں برقع اور نقاب جس کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے اُس سے زیادہ تر فتنہ کا خوف ہے۔ کیونکہ یہ سفید اور باریک نقاب جو عیوب کو چھپاتا اور حسن و جمال کی خوبیوں کو ظاہر کرتا ہے اور برقع جس میں سے چمکتی ہوئی پیشانی اور رسیلی آنکھیں اور لطیف رخسارے خمدار ابرویں اور عنبریں زلفین ظاہر ہوتی ہیں ، در حقیقت یہ دونوں چیزیں بطور زیب و زینت کے استعمال کی جاتی ہیں ، جو دیکھنے والے کی رغبتوں کو بھڑکاتی اور اُس کے جذبات کو اکساتی ہیں۔ اگر عورت بالکل کھلے منہہ ہوتی تو اُس کی

مجموعی حیثیت پر غالباً اس حیثیت سے نظریں پڑتیں۔

عورت کے وہ اعضا جو ظاہر ہوتے ہیں باعث فتنہ نہیں ہیں، بلکہ فتنہ کے نہایت اہم اسباب وہ حرکات و سکنات ہیں جو عورت کی قیامت خیز رفتاریں ظاہر ہوتی ہیں اور جو اس کی اندرونی خواہشوں کی طرف رہبری کرتی ہیں۔ ان حرکتوں کا باعث جو اس سے اثنائے رفتاریں سرزد ہوتی ہیں زیادہ تر برقع اور نقاب ہے جسکی وجہ سے وہ شناخت نہیں ہو سکتی کہ فلاں شخص کی لڑکی یا فلاں شخص کی بیوی ہے۔ پس وہ برقع کی آڑ میں جو حرکتیں چاہتی ہے کرتی ہے۔ لیکن اگر اس کا منہہ کھلا ہوا ہوتا تو اس کو ضرور اپنے ماں باپ اور اپنے خاندان کی عزت کا پاس ہوتا اور شرم و حیا اس کی دامنگیر ہوتی اور اس سے ایسی بیہودہ حرکات سرزد نہوتیں جن سے یہہ گمان کیا جاوے کہ وہ مردوں کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہے۔

حق بات یہہ ہے کہ برقع اور نقاب کا استعمال کرنا کوئی اسلامی رسم نہیں ہے مذہب اسلام نے نہ عبادت کے لئے اس کے استعمال کا حکم دیا ہے اور نہ اخلاقی طور پر اس کو ضروری قرار دیا ہے۔ بلکہ یہہ ایک قدیم زمانہ کی رسم ہے جو اسلام سے پیشتر جاری تھی اور اس کے بعد تک جاری رہی۔ اسکی تائید میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اکثر اسلامی ممالک میں اس عادت کا وجود بھی نہیں پایا جاتا، اور اکثر مشرقی قوموں میں جو مذہب اسلام کی پیرو نہیں ہیں اس کا استعمال جاری ہے۔

اصل یہہ ہے کہ مذہب اسلام میں امر مشروع صرف یہہ ہے کہ "عورتیں اپنے سینوں پر چادروں کے ٹکل مارے رہیں"، جیسا کہ قرآن مجید کی آیت میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے اور اس کو برقع اور نقاب سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

عورتوں کے مُنھہ اور ھاتھوں کے کھولنے کے متعلق جو بحثیں تھیں اُن کو ھم طے کر چکے ھیں مگر پردہ کی وہ بحث جس سے یہہ مطلب ھے کہ عورت اپنے گھر کی چار دیواری میں مقید رکھی جائے اور مردوں کے ساتھہ میل جول سے اُس کو روک دیا جائے اسکی نسبت گفتگو دو حصوں پر منقسم ھے۔ پہلی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے تعلق رکھتی ھے اور دوسری قسم عام مسلمانوں کی عورتوں سے متعلق ھے۔

پہلی قسم کی نسبت قرآن مجید کی حسب ذیل آیتیں وارد ھوئی ھیں۔

"یا ایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم واذا سالتموھن متاعا فاسالوھن من وراء حجاب ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن وما کان لکم ان توذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا ان ذالکم کان عند اللہ عظیما"	"مسلمانو! پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر یہہ کہ تم کو آنے کی اجازت دی جائے۔ اور جب پیغمبر کی بیبیوں سے تمہیں کوئی چیز مانگنی ھو تو پردے کی باھر کھڑے رھکر اُن سے مانگو اس سے تمہارے دل اُن کی طرف سے خوب پاک صاف رھیں گے اور اسی طرح اُنکے دل بھی۔ اور تم کو کسی طرح شایاں نہیں کہ رسول خدا کو ایذا دو اور نہ یہ بات شایاں ھے کہ اُنکے بعد کبھی اُن کی بی بیوں سے نکاح کرو خدا کے نزدیک یہہ بڑی بیجا بات ھے"
"یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا وقرن فی بیوتکن	"پیغمبر کی بی بیو! تم کچھہ عام عورتوں کی طرح تو ھو نہیں پس اگر تم کو پرہیزگاری منظور ھے تو دبی زبان سے کسی کے ساتھہ بات نہ کیا کرو ایسا کرو گی تو جس کے دل میں کسی طرح کا کھوٹ ھے وہ خدا جانے تم سے کس طرح کی توقعات پیدا کر لیگا پس بات بھی کرو تو بے لاگ لپیٹ جیسا کہ پاک صاف

لوگوں کا دستور ہے اور اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو اور اگلے زمانہ جاہلیت کے سے بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو،،	ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى،،

ھر ایک مذھب کے فقہ کی کتابوں اور نیز تفسیر کی کتابوں میں یہہ امر بالاتفاق بیان کیا گیا ھے کہ مذکورہ بالا آیتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ساتھہ مخصوص ھیں - ان کو خداوند تعالی نے پردہ میں بیٹھنے کا حکم دیا ھے اور ھمارے لئے اس کا سبب بیان کر دیا ھے کہ وہ عام عورتوں جیسی نہیں ھیں - چونکہ یہہ خطاب خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو ھے اور اُس کی شانِ نزول بھی خاص ھے، اسلئے وہ حکم عام عورتوں پر منطبق نہیں ھو سکتا پس وہ پردہ جو اُمہات المومنین پر فرض کیا گیا ھے وہ کسی مسلمان عورت پر فرض یا واجب نہیں ھو سکتا۔*

دوسری قسم کے متعلق فقہ کی کتابوں میں صرف ایک حدیث نقل کی گئی ھے جس میں اجنبی مرد کے ساتھ خلوت کو منع فرمایا ھے - حدیث مذکور کے الفاظ یہہ ھیں کہ ،،محرم شخص کے موجود ھونے کے بغیر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھہ خلوت نہ کرے،، ابن عابدین نے لکھا ھے کہ ،،اجنبی عورت کے ساتھہ خلوت کرنا حرام ھے مگر جبکہ کوئی مدیون عورت بھاگ جاے اور کسی ویرانہ میں چھپ جاے یا وہ بڑھیا اور کریہ المنظر ھو یا کوئی چیز درمیان میں حائل ھو - بعض لوگوں نے کہا ھے کہ اجنبی عورت کے ساتھہ خلوت مکروہ تحریمی ھے - امام ابو یوسف سے نقل کیا گیا ھے کہ حرام نہیں ھے،، ۹۷

اور نیز لکھا ھے کہ ،،اگر کوئی چیز حائل ھو یا کوئی محرم مرد یا ثقہ عورت موجود ھو تو خلوت کی

* حسن الاسوۃ صفحہ ۱۲۶ -

۹۷ ،، ،، جلد پنجم -

حرمت باقی نہیں رہتی۔ مگر کسی غیر محرم مرد کے موجود ہونے سے بھی حرمت باقی نہیں رہتی میری نظر سے نہیں گذرا۔"

شاید کسی وقت یہہ استدلال کیا جائے کہ خداوند تعالیٰ نے ازواج مطہرات پر جو پردہ فرض کیا ہے اُس کا اتباع تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ اس کے جواب میں ہم لکھتے ہیں کہ "لستن کاحد من النساء" سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اس حکم میں مساوات مطلوب نہیں ہے۔ اور نیز یہہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس پردہ کے واجب نہ ہونے میں ایسی حکمتیں ہیں جن کی عزت اور وقعت کرنا ہمارا فرض ہے اور محض نظر کی تقلید کر کے اُن پسندیدہ حکمتوں کو معطل کر دینا ہرگز مناسب نہیں ہے جس طرح تخفیف اور آسانی کے دائرہ کو وسیع کرنا شایاں نہیں ہے اسی طرح تنگی اور سختی کو بڑھانا یا زندگی کی کسی مصلحت کو معطل کر دینا مناسب نہیں ہے۔

اس بارہ میں قرآن مجید کی بہت سی آیتیں وارد ہوئی ہیں۔ خداوند تعالیٰ

"یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر"	فرماتا ہے کہ "اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہتا۔
"وما جعل علیکم فی الدین من حرج"	دین کے بارہ میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی
"یا ایها الذین امنوا لا تسألوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم"	مسلمانو!! بہت باتیں کرید کرید کر نہ پوچھا کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو بُری لگیں۔

ایسی حالتوں میں اگر نظیر کی پیروی مطلوب ہوتی تو ایک نہایت سخت متقی اور
پرہیزگار اور متبع سنت خلیفہ اپنے خاندان میں پردہ کے برخلاف رواج قائم نہ کرتے
میں اسکی تائید میں صرف ایک تاریخی واقعہ نقل کرتا ہوں۔

"سلمہ بن قیس نے اپنی قوم کے ایک شخص کو ایک واقعہ جنگ کی اطلاع
دینے کی غرض سے امیرالمومنین عمر بن الخطاب کی خدمت میں بھیجا۔ وہ بیان کرتا ہے
کہ جب میں اُن کے دروازہ پر پہونچا تو میں نے اندر آنے کی اجازت چاہی اور سلام
کیا۔ اور جب مجھکو اجازت دی گئی اور مکان کے اندر داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ
امیرالمومنین عمر ٹاٹ کے فرش پر دو چمڑے کے تکیوں سے جن کے اندر کھجور کا لیف بھرا
ہوا تھا سہارا لگائے بیٹھے ہیں، چنانچہ اُنہوں نے ایک تکیہ میری طرف پھینکدیا
اور میں اُس پر بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ چبوترہ پر ایک برآمدہ ہے اور اُس میں ایک
مکان ہے جس میں پردہ پڑا ہوا ہے۔ عمر نے فرمایا کہ "اُم کلثوم! کھانا لاؤ"، اُنہوں نے
ایک روٹی جو روغن زیتون میں چپڑی ہوئی تھی اور اُس پر بغیر پیسا ہوا نمک رکھا ہوا ہے
پردہ کے باہر سرکا دی۔ آپ نے فرمایا کہ "ام کلثوم! کیا تم ہمارے ساتھ کھانے
کے لئے باہر نہیں آتیں؟" اُنہوں نے کہا کہ مجھے تمہارے پاس کسی مرد کی آہٹ معلوم
ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں، اور غالباً وہ اس شہر کا باشندہ بھی نہیں ہے اُنہوں
نے کہا کہ "اگر آپ کا یہ منشا ہوتا کہ میں مردوں میں آؤں تو آپ مجھکو ایسا ہی لباس پہناتے
جیسا کہ جعفر اور زبیر اور طلحہ نے اپنی بیبیوں کو پہنایا ہے"، آپ نے فرمایا کہ کیا تم کو یہ فخر
کافی نہیں ہے کہ تم علی بن ابی طالب کی بیٹی اور امیرالمومنین عمر کی بیوی کہلاتی ہو پھر آپ نے
مہمان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کھاؤ اگر یہ راضی ہوتی تو تم کو اس سے بھی عمدہ

کھانا کھلاتی ہے+

علاوہ اسکے کہ یہہ پردہ شریعت نے واجب نہیں کیا، اس میں کسی قسم کا فائدہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس میں مختلف قسم کی بے شمار مضرتیں ہیں جن کو ہم اس مبحث میں بیان کرنا چاہتے ہیں۔

ہماری خواہش یہہ ہے کہ موجودہ پردہ جو حد شرعی سے بہت آگے بڑھا ہوا ہے اس میں تخفیف کی جاے، اور اسلامی شریعت کے احکام پر اس کو منطبق کیا جائے اسکی یہہ وجہ نہیں ہے کہ ہم مغربی قوموں کی انکے تمام رسم و رواج، اخلاق و عادات میں تقلید کرنا پسند کرتے ہیں، یا ہم ایک نئی بات پر صرف اس وجہ سے کہ وہ نئی ہے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ہم اسلامی اخلاق و عادات کی عزت و وقعت اور اُن کا احترام کرتے، اور اُن کو اپنی قوم کا مزاج سمجھتے ہیں، جس نے اُس کی مختلف افراد کو اتحاد اور یکجہتی کے سلسلہ میں مسلسل کر رکھا ہے۔ اس بارہ میں ہماری راے اُن لوگوں کے برخلاف ہے جو اِن اخلاق و عادات کو بطور لباس کے سمجھتے ہیں جو روزانہ اُتار دیا جاتا اور دوسرا پہن لیا جاتا ہے۔ بلکہ ہماری یہہ خواہش صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ پردہ کے شرعی حدود پر واپس لانے کو ہماری خانگی زندگی میں بہت بڑا دخل ہے ہم صرف اپنے مذاق کی موافقت اور مخالفت کی وجہ سے کسی چیز کو مستحسن یا قبیح نہیں خیال کرتے۔ بلکہ ہم اُس اہم مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں جس پر عورت کی زندگی بلکہ ہماری قوم کی زندگی کا انحصار ہے۔

اب ہم اس امر کی نسبت بحث کرتے ہیں کہ آیا ہمکو دنیا میں زندہ رہنا ہے یا فنا

+ تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۲۷۶-

هوجاتا اور صفحهٔ هستی سے مٹ جاتا؟ کیا همکو مناسب هے که هم اپنی جگه سے حرکت
نه کریں اور جن حالتوں میں هم نے اپنے آباؤاجداد کو دیکھا هے اُنھیں پر قانع رهیں،
حالانکه دوسری قومیں همارے سامنے سے دولت، ثروت، عزت و شوکت کے سرچشموں
کی طرف بڑھی چلی جارهی هیں اور هم چپ چاپ بیٹھے هوئے ان کو دیکھ رهے هیں؟
یا هم پر واجب هے که اُن اسباب پر غور کریں جو اُن کی ترقی اور همارے تنزل، اُنکی قوت
اور همارے ضعف، اُن کی سعادت و بهبودی اور هماری شقاوت اور بدبختی کا باعث هوئی هیں
اور پھر اپنے مذهب پر ایک نظر ڈالیں اور سلف صالح کی پاکیزه سیرتوں کا مطالعه کریں
اور باتوں کے سننے اور غور کرنے اور اچھی باتوں پر عمل کرنے مین اُن مقدس بزرگون کی
پیروی کریں اور دیگر قوموں کے ساتھ هم بھی ترقی اور کامیابی کی شاهراه میں قدم زن هوں؟
یهی وه اهم مسئله هے جس پر هم نے نظر ڈالی هے۔

وه مسئله درحقیقت پرده کا مسئله ہے جو تمام قومی مسائل میں سے زیاده
ضروری اور اهم هے اور اُسکو قومی حالات میں بهت بڑا دخل هے۔ جب کوئی شخص اپنے
خیالات کا تابع اور اپنی عادات کا مطیع و منقاد هوکر پرده پر نظر ڈالتا هے تو وه اُس کو نهایت هی
عمده معلوم هوتا هے۔ کیونکه وه بچپن سے اُس کے مالوف هے اور پرده نشین عورتوں میں
اُس نے نشوونما پائی هے، اور اپنی عمر کا ایک معتدبه حصه اُن کے ساتھ بسر کیا هے، اس
واسطے عورتوں کو پرده مین دیکھنا اُس کے لئے ایک عادت مالوفه هوگیا هے۔ اس کے
علاوه یهی خیال اُسکو آباؤاجداد سے وراثت مین پهنچا هے اس واسطے وه اُسکو کوئی نئی اور
عجیب چیز نهیں سمجھتا اور طبعی طور پر اُسکی طرف میلان رکھتا هے، جس میں عقل کو کچھ
دخل نهیں، بلکه یهه محض ایک مکینکل تحریک جس مین عقل کا شائبه بھی نهیں۔ مگر جب وه

اُن عوامل اور موثرات کو دور کرکے جنہوں نے کہ اس قسم کے خیالات اُس کے دل میں پیدا کردئے ھیں، اور اُن عادات سے قطع نظر کرکے جو آباؤ اجداد سے اُس کو وراثتاً حاصل ھوے ھیں، اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرتا ھے اور صحیح واقعات اور اپنے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر کوئی راے قایم کرتا ھے تو اُس کو معلوم ھوجاتا ھے کہ عورت ھرگز انسانیت کے درجہ کو نہیں پہونچ سکتی جب تک کہ اُسکو وہ خود مختاری اور آزادی نہ دی جاے جو شریعت اور فطرت نے اُسکو عطا کی ھے، اور اُسکے عقلی ملکات اُس درجہ کو نہ پہونچ جائیں جہانتک کہ اُن کا پہونچنا ممکن ھے۔ اُس کو معلوم ھوگا کہ ھمارا موجودہ پردہ جس کو ھم نہایت عزیز رکھتے ھیں عورت کی ترقی میں سخت حارج اور مانع ھے اور اس وجہ سے وہ قومی ترقی میں سدراہ ھے۔

عورتوں کی تربیت کی نسبت جس فصل میں ھم نے بحث کی ھے اُس مقام پر ھم تربیت کے فضائل اور اُسکے بہترین نتایج ظاھر کرچکے ھیں، جو خود عورتوں اور اُنکے گھروں اور سوسئٹی کے حالات میں نمایاں ھوتے ھیں۔ ھم یہ بھی بیان کرچکے ھیں کہ عورتوں کے کاموں سے محروم ھوجانا قوم کی پستی اور تنزل کا بہت بڑا سبب ھے خصوصاً بچوں کی تربیت تو بغیر تربیت یافتہ ماؤں کے ھو ھی نہیں سکتی۔ اُس مقام پر ھم یہ بھی ثابت کرچکے ہیں کہ بچے کو خواہ وہ لڑکی ھو یا لڑکا جسقدر عقلی اور اخلاقی ملکات حاصل ھوتے ھیں وہ صرف دو ذریعوں سے حاصل ھوتے ھیں وراثت اور تربیت۔ اور کم از کم جسقدر اُسکو اپنے باپ سے حاصل ھوتا ھے اُسیقدر ماں سے بھی حاصل ھوتا ھے، اور یہ کہ بچہ کی تربیت میں باپ کی نسبت ماں کو زیادہ دخل ھے۔ اب اس مقام پر ھم یہ امر ثابت کرنا چاھتے ھیں کہ اگر پردہ اپنی موجودہ حالت پر باقی رکھا جاے تو خود ماؤں کی

تربیت ناممکن ہے۔ تاکہ ہمارے ناظرین جب اس باب کو ختم کریں تو اُن کو معلوم ہو جائے کہ مسائل ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح مسلسل اور مربوط ہیں اور بڑے بڑے اہم مسائل چھوٹے چھوٹے مسائل پر منحصر ہیں۔

اگر ہم کسی لڑکی کو لیکر اُس کو اُن علوم کی تعلیم دین جو لڑکے ابتدائی مدارس میں سیکھتے ہیں، اور اُس کو اخلاق حمیدہ اور عادات پسندیدہ کے مطابق تربیت کریں، اور پھر اُسکو گھر کی چار دیواری میں بند کرکے مردوں کے ساتھ میل جول سے اُس کو روکدیں، تو اس میں شک نہیں کہ جو کچھ اُس نے پڑھا ہے وہ رفتہ رفتہ بھول جائیگی، اور تھوڑے ہی عرصہ میں اُسکے اخلاق و عادات متغیر ہو جائینگے، اور اُس میں اور غیر تعلیم یافتہ عورتوں میں کچھ بھی فرق باقی نہیں رہیگا۔ اسکی وجہ یہہ ہے کہ انسان بچپن کے زمانے میں جو علوم حاصل کرتا ہے اُن کی باریکیوں اور حقائق پر مطلع نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اُس کا علم ناقص رہتا ہے، اور جب وہ جوان ہو کر ایک عرصہ تک عملی کاروبار اور علمی اشغال میں مصروف رہتا ہے تب اُس کی کسیقدر تکمیل ہوتی ہے۔ بچہ کو بے شمار نام یاد ہوتے ہیں مگر وہ ان میں سے اکثر کے معنی نہیں سمجھتا اور اس طرز تعلیم سے اُس کو صرف یہی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ کام کرنے کی عادت اور حقائق اور معارف حاصل کرنے کی استعداد اور قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر بالفرض اسی سن میں تعلیم کی رفتار روک دیجائے تو اُس کی تمام معلومات مضمحل ہو جائینگی اور رفتہ رفتہ ذہن سے نکل جائینگی، اور جسقدر زمانہ تعلیم میں صرف ہوا ہے وہ بالکل اکارت جائے گا۔

چونکہ وہ زمانہ جس میں عموماً لڑکیوں کو پردہ میں بٹھایا جاتا ہے (بارہ اور چودہ سال کے درمیان) ایک ایسا زمانہ ہے جس میں انسان بچپن سے جوانی کی طرف منتقل ہونا شروع

کرتا ہے اور مردوں کی طرح عورتوں کو بھی دنیوی کاروبار کا تجربہ کرنے اور ضروریات زندگی پر غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جس میں عقلی اور اخلاقی ملکات شگفتہ ہوتے ہیں اور خواہشیں اور رغبتیں ظاہر ہوتی ہیں، جس میں انسان ایک نئی قسم کا علم سیکھتا ہے جو مدارس کے علم سے زیادہ نفیس اور لطیف اور قیمتی اور کارآمد ہوتا ہے اور وہ زندگی کا علم ہے اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ مختلف لوگوں کے ساتھ میل جول کرنا اور انکے اخلاق و عادات کا امتحان کرنا، یہہ ایک ایسا زمانہ ہے جس میں انسان اپنی قوم ملت وطن اور مذہب اور گورنمنٹ کو پہچاننا شروع کرتا ہے، جس میں ہر شخص کی استعداد اور قابلیت اور اس کا طبعی میلان ظاہر ہوتا ہے اور وہ نہایت جوش اور سرگرمی کے ساتھ اپنے کاروبار کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہہ ایک ایسا زمانہ ہے جو انسان کے لئے بڑی بڑی امیدوں اور نشاط اور امنگ کا زمانہ ہوتا ہے۔ پس اگر اس زمانہ میں لڑکی کو پردہ کی قید میں ڈال دیا جاوے اور اس عالم سے اس کے تعلقات بالکل قطع کردئے جائیں تو بیشک اس کی ترقی کی رفتار رک جائیگی، بلکہ تنزل شروع ہو جائیگا اور جو کچھ اس نے حاصل کیا وہ سب فراموش ہو جائیگا، اور اس کی تمام محنت اور کوشش اکارت جائیگی اور اسکی امیدیں اور نیز لوگوں کو جو امیدیں اس سے ہونگی وہ سب غارت ہو جائینگی۔ پس میں لڑکی کا کچھہ قصور نہیں ہے بلکہ وہ غریب اور مسکین محض ایک نالایق عادت کی وجہ سے ہمیشہ کیلئے ترقی اور کمال سے محروم کردی گئی ہے۔

شاید بعض لوگ اس بات کا دعوی کریں کہ عورتوں کے لئے اپنے مکان ہی میں اپنی تعلیم و تربیت کی تکمیل کرنا ممکن ہے۔ یہہ خیال بالکل باطل اور سراسر غلط ہے۔ کیونکہ علم حاصل کرنے کی رغبت اور لوگوں کے حالات اور ان کو کاروبار میں غور کرکے تجربہ

حاصل کرنا موجودہ پردہ کی حالت میں عورتوں کے لئے ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ پردہ عورت کو ایک تنگ و تاریک دائرہ میں محبوس کر دیتا ہے جس میں وہ صرف وہی معمولی اور رکیک باتیں دیکھتی اور سنتی ہے جو گھر کی چار دیواری میں پیش آتی ہیں اور زندہ عالم جو غور و فکر اور حرکت و کار کی دنیا ہے اُس کے واقعات عورت کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر پہنچتے بھی ہیں تو بے انتہا تحریف و تبدیل ہو کر پہنچتے ہیں لیکن اگر عورت کے تعلقات بیرونی دنیا سے بدستور قائم رہتے تو وہ اُن کے حادثات میں غور کر کے اور واقعات سے تجربہ حاصل کر کے ایسے مفید اور کارآمد اور قابل وقعت علوم سیکھتی جو باہمی معاشرت اور میل جول اور دیکھنے اور سننے اور عالم کے تمام کاروبار زندگی میں شریک ہونے سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور ان علوم کے حاصل کرنے میں اُس تعلیم سے کسی قدر مدد ملتی ہے جو اُس نے بچپن میں پائی ہے۔ بلکہ اگر لڑکی میں فطری ذکاوت اور طبعی جودت موجود ہے تو اسکو ابتدائی تعلیم کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔

اچھا ہم فرض کرتے ہیں کہ عورت پردہ کی حالت میں بھی کتابوں کے مطالعہ کے ذریعہ سے اپنی تعلیم و تربیت کی تکمیل کر سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ وہ کتابوں کے ذریعہ سے حاصل کرے گی اگر عمل اور تجربہ سے اُسکو تقویت اور استحکام نہ ہوگا تو وہ محض خیالات ہی کی قسم سے سمجھا جائیگا۔ اگر ابتدائی تعلیم کے بعد لڑکوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے اور ۱۵ برس کی عمر کے بعد ان کو گھر کی چار دیواری میں بند کر دیا جائے تو نتیجہ بالکل یکساں حاصل ہوگا۔ بلکہ اگر ہم ایک مرد کو لیکر جو اپنی عمر کی چالیس منزلیں طے کر چکا ہے ایک گھر کی چار دیواری میں بند کر دیں اور اسکو مجبور کریں کہ وہ اپنی زندگی عورتوں اور بچوں اور خدمتگاروں میں بسر کرے تو اُسکو معلوم ہوگا کہ بتدریج اُس کی عقلی اور اخلاقی قوتوں میں

تنزل اور انحطاط ہوتا جاتا ہے اور بالضرور کچھہ عرصہ کے بعد اُس کے اخلاق و عادات اور
خیالات عورتوں اور بچوں اور خدمتگاروں کے مساوی ہو جائیں گے جنکی سوسائٹی میں
اُس نے اپنی زندگی بسر کی ہے۔ پس ایسی حالت میں یہہ خیال کرنا نہایت غلطی کی بات ہے
کہ جب ہم اپنی لڑکیوں کو تعلیم دے چکیں تو ایک خاص عمر میں اُنکو پردہ میں بٹھا دینا جائز ہے
اور یہہ ابتدائی تعلیم نقصانات سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہوگی کیونکہ خود پردہ میں سب
بڑا نقصان ہے اور وہ یہہ ہے کہ جو کچھہ وہ اپنی ابتدائی تعلیم میں حاصل کرتی ہیں بالکل
برباد اور غارت ہو جاتا ہے اور آیندہ عمر میں ہمیشہ کے لئے ترقی سے محروم ہو جاتی ہیں،
یہہ بالکل بدیہی اور ظاہر بات ہے جس کے لئے دلیل کی کچھہ ضرورت نہیں۔ اس کے
ثبوت کے لئے صرف یہی امر کافی ہے کہ ہم اپنے دل میں غور کریں کہ ۱۵ سال کی عمر میں
ہماری کیا حالت تھی ہمکو معلوم ہوگا کہ ہم بچپن کے ساتھہ زیادہ تر مشابہ تھے نہ دنیا کی کسی
چیز کو اچھی طرح پہچانتے اور نہ زندگی کی قدر و قیمت جانتے تھے اور نہ اپنے حقوق اور فرائض
کو سمجھتے تھے نہ ہم میں عزم تھا اور نہ استقلال ہمکو یہہ بھی معلوم ہوگا کہ ہماری تکمیل کا سب
سے بڑا ذریعہ یہہ ہے کہ ہماری عقلی اور نفسانی تعلیم و تربیت مسلسل اور لگاتار جاری رہی
ہے۔ یہہ تکمیل کتابوں کے پڑھنے سے ہرگز نہیں حاصل ہو سکتی بلکہ یہہ کاروبار کی
دائمی مزاولت کرنے، لوگوں کے ساتھہ میل جول کرنے، اُن کے اخلاق و عادات کا
تجربہ کرنے، حادثات پر غور کرنے واقعات سے عبرت پکڑنے سے حاصل ہوتی ہے
حقیقت یہہ ہے کہ انسان کی تربیت کے واسطے کوئی مخصوص عمر نہیں ہے
جہاں اُس کی انتہا ہو جاتی ہو، اور نہ اُس کے لئے کوئی خاص حد مقرر ہے جہاں پہونچکر
وہ ختم ہو جاتی ہو۔ تربیت چند علوم کے حفظ کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی جن کو انسان

سخت محنت اور کوشش کر کے حاصل کر لیتا ہے اور اپنی باقی زندگی آرام و راحت کے ساتھ بسر کرتا ہے۔

تربیت وہ ھوئی اور سیدھا چیز نہیں ہے جیسا کہ عام لوگ خیال کرتے ہیں کہ مختلف علوم و فنون کی جو مدارس کے پروگرام میں درج ہیں کچھ مقدار حاصل کر لینا اور پھر امتحان دیکر ڈگری حاصل کر لینا اور پھر سستی اور بیکاری کی حالت میں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتا۔ بلکہ تربیت ایک دائمی اور مسلسل عملی کوشش ہے جو انسان کے تمام نفسانی کمالات کا ذریعہ ہوتی ہے اور پیدائش کے دن شروع ہوتی اور موت کے ساتھ ختم ہوتی ہے۔

ہم نے جس قدر پردہ کے نقصانات اوپر بیان کئے ہیں اگر کوئی شخص اُن کی صحت کو ایسے طریقہ پر معلوم کرنا چاہے جس میں بالکل شک و شبہ کی گنجایش باقی نہ رہے تو اُس کو چاہئیے کہ اپنے خاندان کی تعلیم یافتہ عورتوں کی حالت کا دیہات کی معمولی عورتوں یا شہروں کی کاروبار کرنے والی عورتوں کے ساتھ جنہوں نے تعلیم نہیں پائی مقابلہ کرے۔ اسکو معلوم ہوگا کہ اُسکے خاندان کی عورتیں دیسی اور اجنبی زبانوں میں لکھنا پڑھنا اچھا جانتی ہیں مگر وہ زندگی کے کاروبار سے بالکل جاہل اور محض ناواقف ہیں۔ اگر وہ خود مختار کر دی جائیں تو اُن کو اپنے ذاتی کاروبار کا انجام دینا اور دنیا میں زندہ رہنا دوبھر ہو جائیگا مگر دیہات کی عورتوں اور کاروبار کرنیوالی شہری عورتوں نے باوجود جاہل ہونیکے بہت سی مفید اور کارآمد معلومات جمع کر لی ہیں جن کو اُنہوں نے معاملات کے تجربوں اور مختلف کاموں کی مزاولت اور مختلف حادثات سے جو اُن کو پیش آئے ہیں حاصل کیا ہے اور ان تمام باتوں نے اُن کو ہوشیار اور پختہ کار بنا دیا ہے۔ پس اگر کوئی پڑھی لکھی عورت اس قسم کی کسی جاہل عورت کے ساتھ معاملہ کرے گی تو اس میں شک نہیں کہ جاہل عورت اس پر غالب

رھے گی۔

یہی وجہ ھے کہ ھم اکثر مشرقی عیسائی عورتوں کو دیکھتے ھیں کہ اگرچہ اُنہوں نے مدارس میں ھماری لڑکیوں کی نسبت کچھ زیادہ تعلیم حاصل نہیں کی لیکن تاھم وہ مردوں کے ساتھ اختلاط اور میل جول رکھنے سے اپنی ضروریات زندگی سے بہت زیادہ تر واقفیت رکھتی ھیں اور اپنی وسیع معلومات کی وجہ سے جو اُنہوں نے کتابوں سے حاصل نہیں کیں اپنی ھم وطن مسلمان عورتوں سے بدرجہا فائق ھوگئی ھیں۔ حالانکہ وہ دونوں ایک جنس اور ایک ملک کی رھنے والی ھیں۔

ھم یقین کرتے ھیں کہ ھماری قوم کی عورتوں کو طبعی استعداد حاصل ھے کہ وہ دیگر قوموں کی عورتوں کی طرح ترقی کرسکتی اور اُن کی ھم پلہ ھوسکتی ھیں۔ مگر اسوقت وہ نہایت سخت تنزل اور انحطاط کی حالت میں ھیں۔ اس کی وجہ صرف یہہ ھی ھے کہ ھم نے اُن کی عقل وشعور اور ادراک کو بالکل غارت کردیا ھے اور اُنکی حق تلفی کرکے اُنکی قدر و قیمت کو گھٹا دیا ھے۔

ھم نے پردہ کی سخت قیود میں مبتلا کرکے اُنکی صحت کو خراب کردیا ھے ھم نے انکو مجبور کیا ھے کہ وہ مکان کی چار دیواری میں محبوس رھیں اور اُن کو صاف ھوا اور دھوپ اور جسمانی اور عقلی ریاضتوں سے محروم کردیا ھے۔

ھم میں سے ھر شخص کو معلوم ھے کہ ھماری قوم میں بے شمار ایسی عورتیں موجود ھیں جو دن رات میں کسی وقت بھی اپنے گھر سے باھر قدم نہیں نکالتیں اور ھمیشہ اُسکی چار دیواری میں محبوس رھتی ھیں جہاں اُنکے پاس سوائے کسی لونڈی یا ماما کے کوئی شخص موجود نہیں ھوتا البتہ کبھی کبھی تھوڑی دیر کے لئے کوئی پڑوس کی عورت ملاقات کی غرض سے

آجاتی ہے اور چند منٹ باتیں کر کے واپس چلی جاتی ہے۔ وہ اپنے شوہروں کو صرف رات کے وقت دیکھتی ہیں، کیونکہ وہ دن بھر اپنی فکر معیشت کے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں اور رات کا غالب حصہ اپنے دوستوں اور قہوہ خانوں اور پبلک جلسوں میں بسر کرتے ہیں۔

ہم میں سے ہر شخص کو معلوم ہے کہ بے شمار عورتیں اس پست زندگی کی وجہ سے اس دائمی حبس میں اپنی صحت کھو بیٹھی ہیں ان پر نہایت سخت روحانی اور جسمانی امراض مسلط ہو گئے ہیں اور وہ لطف زندگی سے بالکل محروم ہو گئی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہماری قوم کی اکثر عورتیں تخشم اور فقر الدم کے امراض میں مبتلا ہیں جب کوئی عورت ایک ہی دفعہ بچہ جنتی ہے تو وہ نہایت لاغر اور کمزور ہو جاتی ہے، اس کے جسم کے تمام جوڑ بند ڈھیلے ہو جاتے ہیں، اور وہ اپنے آغاز شباب ہی میں بڑھیا معلوم ہونے لگتی ہے۔ اِن تمام خرابیوں کا منشا صرف مردوں کا خوف ہے کہ وہ ہمیشہ اُن کی عفت اور پاکدامنی کو شبہہ کی نظر سے دیکھتے رہتے ہیں۔

اکثر اشخاص کا خیال ہے کہ پردہ موجب عفت اور بے پردگی فحش اور بدکاری کا باعث ہے۔ یہہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس پر کوئی قابل اطمینان دلیل قایم کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ اس وقت تک کسی شخص نے تمام ممالک کی مردم شماری کر کے ایسے اعداد بہم نہیں پہونچائے جن سے اُن ممالک میں جہاں عورتیں پردہ میں رہتی ہیں اور نیز اُن ممالک میں جہاں عورتوں کو آزادی حاصل ہے واقعات فحش کا صحت کے ساتھہ قابل اطمینان طور پر اندازہ ہو سکے۔ اور اگر بالفرض ایسے اعداد بہم پہونچ بھی جائیں تاہم اُن کے ذریعہ سے اس مسئلہ کے کسی پہلو پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ مختلف ممالک میں فحش کی

قلت اور کثرت کے بے شمار اسباب ہوتے ہیں جن میں پردہ کچھ زیادہ اہم نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ قوم کے وسائل معیشت اور اُس کی تربیت اور اوسکے مزاج اور اقلیم کی آب وہوا کو اُس کے اخلاق کی درستی اور اُن کے فاسد ہونے میں بہت بڑا دخل ہے یہی وجہ ہے کہ مختلف یورپین ممالک کے واقعات فحش کی تعداد میں بیّن اختلاف پایا جاتا ہے اس قسم کا اختلاف اُن ممالک میں بھی پایا جاتا ہے جس میں پردہ کی عادت ابتک بدستور باقی ہے بلکہ بعض اوقات ایک ہی شہر میں دو مختلف زمانوں کی تعداد میں بہت بڑا فرق نظر آتا ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ عورتوں کی آزادی پردہ کی نسبت زیادہ تر عفت اور پاکدامنی کا باعث ہو سکتی ہے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے جس میں کچھ شک وشبہہ نہیں ہو سکتا کہ امریکہ کی عورتیں کرہ زمین کی نسبت زیادہ تر آزاد اور مطلق العنان ہیں اور مردوں کے ساتھ زیادہ تر اختلاط اور میل جول رکھتی ہیں حتیٰ کہ کم سن لڑکیاں اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ ایک ہی مدرسہ اور ایک ہی کلاس میں تعلیم پاتی ہیں۔ مگر باوجود اسکے جو لوگ امریکہ کے حالات سے واقف ہیں اُن کا بیان ہے کہ وہاں کی عورتیں روے زمین کی عورتوں کی نسبت زیادہ تر عفیف پارسا اور پاکدامن ہیں۔ اور اس کا یہہ سبب بتلاتے ہیں کہ وہاں عورتوں اور مردوں کے درمیان نہایت گہرا اختلاط اور میل جول ہے۔ ایک بدیہی بات جس پر کسی قسم کی نکتہ چینی نہیں ہو سکتی یہہ ہے کہ عرب کی عورتوں اور نیز دیہات کی مصری عورتوں میں جو آزادی اور اختلاط کے لحاظ سے تقریبًا یورپ کی عورتوں کی برابر ہیں فحش کی طرف میلان ان شہری عورتوں کی نسبت بہت ہی کم پایا جاتا ہے جن کی بدکاریوں اور ناہنجاریوں کو پردہ بالکل نہیں روک سکا۔

اس لئے مجبورًا اس بات کا یقین کرنا پڑتا ہے کہ جو عورتیں مردوں کے ساتھ زیادہ تر اختلاط اور میل جول رکھتی ہیں وہ پردہ نشین عورتوں کی نسبت فاسد خیالات سے زیادہ تر محفوظ اور

الگ تھلگ رھتی ھیں۔ اسکا اصلی سبب یہ ھے کہ پہلی قسم کی عورتیں مردوں کے ساتھ ملنے جلنے اور اُنکی باتیں سننے کی عادی ہوتی ہیں۔ جب کوئی ایسی عورت کسی مرد کو دیکھتی ہے تو اس کی نفسانی خواہشات میں بالکل تحریک پیدا نہیں ھوتی۔ بلکہ اگر ایسا ھوتا بھی ھے تو ایک عرصہ تک ساتھ رھنے اور اکثر اوقات تنہائی میں بسر کرنے سے ھوتا ھے۔ یہ ایک ایسی بات ھے جس کو شریعت نے منع کیا ھے اور ھم اُس کی ممانعت کو اوپر بیان کر چکے ہیں مگر جب دوسری قسم کی کسی عورت کی نظر اجنبی مرد پر پڑ جاتی ھے تو اُس کا یہ اثر ھوتا ھے کہ بلا قصد اور بغیر کسی قسم کی بدنیتی کے اختلاف جنس کا خیال فوراً اُسکے دل میں گذر جاتا ھے۔ کیونکہ وہ اس بات کی عادی ھوتی ھے کہ وہ کسی اجنبی مرد کو نہ دیکھے اور نہ کوئی اجنبی مرد اُس کو دیکھے۔ پس ایسی حالت میں صرف ایک اتفاقی نظر کا پڑ جانا اس خیال کے اُکسانے کے واسطے کافی ھوتا ھے۔

بعینہ یہی اثر میں نے بارھا مردوں میں دیکھا ھے جیسا کہ میرے سوا اور بہت سی لوگوں نے دیکھا ھوگا۔ میں نے بچشم خود دیکھا ھے کہ جو لوگ عورتوں کے ساتھ ملنے جلنے کے عادی نہیں ہیں جب کبھی اُن کو عورتوں میں بیٹھنے کا اتفاق ھوتا ھے تو اگر ان پر شایستگی اور تہذیب کا رنگ غالب نہیں ھوتا تو وہ نفس امارہ کے ھاتھوں مجبور ھو جاتے ہیں اور عورتوں کو بار بار گھورنے اور اُن کے حسن و جمال کی خوبیوں کا مطالعہ کرنے سے باز نہیں رہ سکتے اور ادب اور شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات اُن کے بدن کو ہاتھ سے چھونے کے لئے نہایت قابل نفرت حیلے پیدا کرتے ہیں گویا کہ وہ عملی طور پر اپنے اس خیال کی تصدیق کرتے ہیں کہ عورت اور مرد کے ایک مکان میں جمع ہونے کا صرف یہی مقصد ھے کہ وہ نفسانی خواہش کو پورا کریں۔ حالانکہ جو لوگ عورتوں کے ساتھ ملنے جلنے کے عادی ہوتے

ہیں اُن کی حالت ھرگز ایسی نہیں ہو سکتی۔ عورت کو دیکھکر نہ اُن کے دل میں بے چینی اور حواس میں اضطراب اور نہ اُنکے خیالات میں گھبراھٹ پیدا ھوتی ھے بلکہ عورت کے دیکھنے سے ان کے دل پر کچھ اُس سے زیادہ اثر نہیں ھوتا جسقدر کہ کسی مرد کے دیکھنے سے ھو سکتا ھے۔ پس اُٹھالا پردہ کا ایک لازمی نتیجہ یہہ ھے کہ وہ محض نظر کے پڑجانے یا آواز سننے کے ساتھہ ھی عورتوں اور مردوں کے دلوں میں شہوت کے خیال کو اُکساتا ھے یہی باعث ھے کہ ھم روزانہ دیکھتے ہیں کہ جب کوئی راہ چلتی عورت کسی مرد کو دیکھتی ھے اور اُس کے ساتھہ باتیں کرنے کی ضرورت پڑتی ھے تو وہ اپنی حرکات میں تکلف اور بناوٹ اور آواز میں تصنع کر کے اپنے خیال کے مطابق اُس میں خوبی پیدا کرنے کی کوشش کرتی ھے تاکہ مرد کو پسند آئے۔ اور قریب قریب یہی حالت مرد کی ھوتی ھے

یوروپین ممالک، قسطنطنیہ، مصر کے دیہات، اور جنگلی بدوؤں میں جو حالت میں نے اور دیگر اشخاص نے دیکھی ھے وہ اس حالت کے بالکل برخلاف ہے وھاں عورتیں اور مرد ایک دوسرے کے برابر نکلے چلے جاتے ہیں اور کوئی کسی کی طرف خیال ہی نہیں کرتا۔

اس میں شک نہیں کہ ذھن کو اختلاف جنس کی طرف متوجہ کرنا شہوت کے اکسانے کا بہت بڑا سبب ہوتا ہے۔

یہہ امر ظاھر ہے کہ جو عورت باوجود آزاد اور بے پردہ ہونے کے اپنی عزت و آبرو کو بچاتی، اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کرتی ھے وہ پردہ نشین عورت کی نسبت بدرجہا زیادہ افضل اور زیادہ قابلِ تعریف ہے۔ کیونکہ اُسکی عفت اختیاری اور اسکی عفت اضطراری ہے اور ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ میں ھرگز نہیں خیال کر سکتا کہ ھم اپنی عورتوں کی عفت پر کس طرح فخر کر سکتے ہیں حالانکہ ھمارا یقین ہے کہ گھروں کی چار دیواری میں ان کو محبوس کر کے اور قفل لگا کے اُن کی حفاظت کی جاتی ہے؟

کیا کسی قیدی کا یہہ دعویٰ قبول کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک پاکدامن شخص ہے اور قید میں کوئی گناہ اُس سے سرزد نہیں ہوا؟ پس جبکہ ہماری عورتیں پردہ کی قید میں محبوس ہیں تو وہ عفت کی فضیلت کو کسطرح حاصل کر سکتی ہیں اور اُن کے عفیف اور پاکدامن ہونے کے کیا معنی ہیں؟ عفت ایک خصلت ہے جس کی مدد سے انسان باوجود قادر ہونے کے اپنے آپ کو بدکاری سے بچاتا اور شہوت سے باز رکھتا ہے۔ شاید تمام شرعی تکالیف صرف انہیں اعمال سے متعلق ہیں جو اختیاری ہیں نہ کہ اضطراری پس عفت جسکی عورتوں کو تکلیف دیگئی ہے وہ اختیاری ہونا چاہیئے ورنہ اضطراری ہونے کی حالت میں اُن کو کچھ ثواب نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"من عشق فعف فکتم فمات فھو شہید"۔

حقیقت یہہ ہے کہ ہم عملی طور پر اپنے اس اعتقاد کا اظہار کر رہے ہیں کہ ہماری عورتوں میں عفت اور پاکدامنی کی قابلیت اور صلاحیت ہی نہیں ہے۔ نہایت شرم کی بات ہے کہ ہم میں ایک شخص بھی ایسا موجود نہیں ہے جو اپنی عورت پر بھروسہ اور اعتماد رکھتا ہو خواہ وہ سالہا سال اُس کا امتحان کر چکا ہو۔ ڈوب مرنے کی جگہ ہے کہ ہم یہہ خیال کریں کہ ہماری مائیں اور بہنیں اور بیبیاں اور بیٹیاں اپنی عصمت کی حفاظت کرنا نہیں جانتیں۔ کیا ہم کو مناسب ہے کہ ہم ان پاک اور مقدس خاتونوں پر جو ہمیں نہایت عزیز اور پیاری ہیں بھروسہ نکریں اور ہر وقت ان کو بدگمانی اور شک کی نظر سے دیکھتے رہیں؟

میں ہر ایک بے غرض اور بے لاگ آدمی سے دریافت کرتا ہوں کہ کسی انسان کے ساتھ ایسا نالایق برتاو کرنا جائز ہے جس میں وہ تمام انسانی خواص موجود ہیں جو ہم میں پائے جاتے ہیں۔ ہماری طرح اُس میں بھی روح، دل، وجدان، حواس اور عقل موجود ہے۔ اور کیا عورت کے ساتھ

اس حد تک بدگمانی کرنا اپنے ذاتی اختیار کے ساتھ متفق ہو سکتا ہے۔

عقلمند لوگ اس بات کا یقین کرتے ہیں کہ عورت کی حفاظت کے لئے جو وسائل عمل میں لائے جاتے ہیں خواہ کیسی دقت اور باریک بینی او نازک خیالی کے ساتھ پیدا کئے جائیں ھرگز کسی قسم کا فائدہ نہیں پہونچا سکتے اگر عورت کا دل مرد اپنے قابو میں نہیں لا سکا۔ اس لئے کہ یہ بات مرد کی استطاعت سے باھر ہے کہ وہ دن اور رات میں ھر ھر منٹ پر اپنی عورت کی حرکات و سکنات کی نگرانی کر سکے۔

جب کوئی مرد اپنے گھر سے خود باھر جاتا ھے یا کسی سخت ضرورت سے اپنی عورت کو باھر جانے کی اجازت دیتا ہے تو ایسی حالتوں میں اگر اُس کو اس بات پر بھروسہ نہیں ھے کہ عورت خود اپنی حفاظت اور صیانت کر سکتی ھے تو کس امر پر اعتماد رکھتا ھے؟ علاوہ اسکے اگر عورت کا دل مرد کے اختیار میں نہیں ہے تو اُسکے جسم کی حفاظت کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟ کیونکہ یہہ امر اُس کے اختیار سے باھر ہے کہ وہ عورت کی دلی حرکات کی نگرانی کر سکے۔ اگر عورت کسی اجنبی مرد کو چاھتی ہو اور اوسکے ساتھ دلی محبت رکھتی ہو تو وہ کسطرح روک سکتا ہے؟ فرض کرو کہ کسی عورت نے جالیوں میں سے کسی حسین اور شکیل نوجوان کو جاتے ہوئے دیکھا اور اُس پر فریفتہ ہو گئی اور یہہ بات چاھی کہ تھوڑی دیر اُسکے جمال باکمال کے نظارہ سے لذت حاصل کرے پس کیا حقیقۃً یہہ زنا نہیں ہے؟ کیا اُسنے عفت و عصمت کو بالائے طاق نہیں رکھدیا؟ کیا فاصلہ کے بعد کی وجہ سے ملاقات کا ناممکن ہونا عفت خیال کیا جا سکتا ہے؟ بیشک آنکھوں اور دلوں کی زنا پر شرعی حدود جاری نہیں کی جاتیں کیونکہ حدود اور سزاؤں کو لوگوں کے دلوں اور خیالات پر تسلط حاصل نہیں ہے لیکن اھل تقویٰ اور پارساؤن کے نزدیک جسمانی بعد کا کچھ بھی اعتبار نہیں

اگر روحانی مواصلت اور قلبی محبت حاصل ہے۔

اِس کو بھی جانے دو ہم پوچھتے ہیں کہ پردہ سے کونسا نتیجہ حاصل ہوا ہے؟ کیا ہم نے نہیں سنا کہ گھروں کے اندر بارہا ایسے شرمناک واقعات پیش آئے ہیں جو عزت و آبرو کو بٹہ لگانے والے اور ننگ و ناموس کو برباد کرنے والے ہیں؟ کیا عورتوں کو برقعوں میں چھپانے اور گھروں کی چار دیواری میں قید کرنے اور قفل ڈالنے سے فسق اور فجور کا بالکل سدباب ہو گیا؟ ہرگز نہیں۔

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ عورتوں کی بدکاری اور اُن کے فسق و فجور کے افسوسناک واقعات جسقدر آجکل سُنے جاتے ہیں اُتنے پہلے نہیں سنے جاتے تھے۔ بلکہ درحقیقت گذشتہ تیس سال کی نسبت آجکل بدکاری کی بہت زیادہ کثرت ہے اور اس کا باعث صرف پردہ کی تخفیف ہے۔ پس پردہ کی قدیم حالت بہ نسبت موجودہ حالت کے جو عورتوں پر طاری ہوئی ہے عفت و عصمت کی زیادہ تر حفاظت کرنے والی ہے۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض مردوں اور عورتوں کی فاسد طبیعتیں پردہ کی تخفیف کی وجہ سے باہمی تعارف اور میل جول اور فسق و فجور کی طرف زیادہ تر مائل ہو گئی ہیں۔ بلکہ ہم اس پر اسقدر اور اضافہ کرتے ہیں کہ اگر ایسی ہی سرعت اور تیزی کے ساتھ پردہ کی تخفیف کی رفتار جاری رہی اور ہماری قوم کی حالت میں تعلیم و تربیت کے لحاظ سے کوئی ترقی نہ ہوئی تو نہایت مصیبت کا سامنا ہوگا اور فحش اور بدکاری کو زیادہ ترقی ہوگی۔

فحش اور بدکاری جسکی زیادتی کی اسوقت شکایت کی جاتی ہے اُسکا اصلی سبب پردہ کی تخفیف نہیں ہے بلکہ اُسکے بہت سے اسباب ہیں جو صرف دو لفظوں میں تعبیر کئے جا سکتے ہیں۔ جہالت اور سوءِ تربیت۔

سوءِ تربیت ہی خفیف الحرکاتی اور چھچھورپن کا اصلی سبب ھے یہی اس امر کا باعث ھوتا ہے کہ ایک ثقہ عورت جو اپنے خاندان اور اپنی قوم میں نہایت معزز و محترم اور صاحب وقعت خیال کی جاتی ہے رستہ سے گذرنے والے اجنبی نوجوان کو بے تکلف گھورا کرے۔ سوءِ تربیت ھی اُن ناگوار نتائج سے غافل کر دیتی ہے جو اُس شیطان سیرت نوجوان کے اشاروں پر چلنے اور اُسکی شیطانی خواہشوں کی تعمیل کرنے سے پیدا ھوتے ہیں اور وھی سلسلہ گفتگو کے شروع ہونے سے پہلے ملاقات اور مواصلت کی طرف مائل کرتی ہے۔ یہہ عقد محبت صرف نگاھوں اور اشارون کے ذریعہ سے مستحکم ھوتا ہے جن سے نہ اُنکی اخلاقی حالت معلوم ھوتی ھے اور نہ اُنکے عقلی اور نفسانی حالات کا پتہ چلتا ہے جنکی وجہ سے دو شخصوں کے درمیان ارتباط پیدا ہو سکتا ہے۔

سوءِ تربیت ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام پردوں کو پھاڑتی اور عورتوں کے لئے ھر قسم کی بدکاریوں اور ناھنجاریوں کا دروازہ کھولتی ھے۔ یہہ ایک ایسا متعدی مرض ہے جسکے سبب سے ہی ایک عورت دوسری عورت کی طرف اور ایک خاندان سے دوسرے خانداں کی طرف منتقل ہونیکا خوف کیا جاتا ہے ھم دیکھتے ھیں کہ پردہ نشین عورتیں خواہ وہ کیسا ھی سخت پردہ کرتی ہوں تاہم وہ ادنیٰ اور پست طبقہ کی بدچلن عورتوں سے ملتی اور اُن کی باتیں سنتی ہیں مثلاً ایک اعلیٰ اور شریف گھرانے کی خاتون اپنے مکان کے خدمتگار کی عورت کے ساتھہ باتیں کرنا کچھہ عیب نہیں سمجھتی اور اُس سے تمام باتیں خواہ وہ حیا اور وقار کے خلاف ھوں سنتی ھے اور نہ بازاری عورتوں اور کپڑا بیچنے والیوں کے ساتھہ باتیں کرنا قابل نفرت جانتی ھے۔ بلکہ بعض اوقات بوجہ اپنی جہالت اور نادانی کے ایسی اجنبی اور مجہول عورتوں کے ساتھہ میل جول اور اختلاط بڑھاتی ہے جنکی نہ اخلاقی حالت معلوم ہوتی ہے اور نہ اُنکے حسب و نسب اور سکونت کا حال معلوم ہوتا

ان تمام باتوں سے بڑھکر اخلاق کی تباھی اور بربادی کا باعث یہہ ہے کہ اکثر شادیوں اور خوشیوں کی موقعوں پر ناچنے والی بےحیا عورتوں کو بلایا جاتا ہے جو ماؤں اور لڑکیوں اور چھوٹوں اور بڑوں انکے سامنے ناچتی اور گاتی ھیں۔

یہہ خرابیاں ہیں جو سوء تربیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ غرضکہ وہ اخلاقی حالت کے بگاڑنے میں بہت بڑا سبب ہے جسکے مقابلہ میں پردہ کی تخفیف کی کچھہ بھی ہستی اور حقیقت نہیں۔

گذشتہ چند سال کے عرصہ میں ھمارے ملک میں بےشمار جدید حادثات اور واقعات پیش آئے اور ھم کو اپنے ملک کے اندر بہت سی مغربی قوموں کے ساتھہ میل جول کرنے کی ضرورت واقع ہوئی اور اُنکے اور ھمارے درمیان جو تعلقات قایم ہوئے اُنکے ذریعہ سے ھمکو معلوم ھوگیا کہ وہ ھماری نسبت زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ مہذب اور شایستہ ھیں اس لئے ھماری قوم کا ایک گروہ کثیر ظاھری اخلاق و عادات میں اُنکی تقلید کرنے لگا۔ خاصکر اُن امور میں جن سے شہوت کا اتباع اور قیود سے آزادی حاصل ھوتی ھے۔ پس اسکا نتیجہ یہہ ھوا ہے کہ ھماری قوم کے اکثر امیروں اور رئیسوں نے اپنی عورتوں کے معاملات میں ضرورت سے زیادہ تساھل کیا اور اُن کو پبلک سیرگاھوں کی ھوا کھانے اور تھیٹروں کے تماشے دیکھنے کی اجازت دی۔ اسی طرح اور بہت سی نالائق باتوں میں ان کی تقلید کی۔ اس سے بھی کسیقدر عورتوں کے اخلاق میں فساد پیدا ھوا۔

غرضکہ یہہ افسوسناک اور ناگوار حالت جن اسباب سے پیدا ہوئی ھے اُنکو ھم بیان کرچکے اور اُسکے نتایج بھی دکھلاچکے ہیں لیکن اس حالت کا مٹا دینا اور پھر از سرنو پردہ کو سخت کرکے قدیم حالت پر لانا ہماری مصلحت کے خلاف اور ہمارے امکان سے خارج ہے بلکہ ہماری لئے بہتری یہی ہے کہ اس موجودہ حالت کی حفاظت کریں اور جو نقصانات اُس سے پیدا ھوئے ہیں اُن کے دفعیہ کی کوشش کریں۔ صرف

یہی امر ہمارے امکاں میں ہے۔

یہہ بات کہ اس حالت کا مٹا دینا ہماری مصلحت کے خلاف ہے اس کی وجہ ہم پردہ کے نقصانات میں بیان کر چکے ہیں اور یہہ کہ اس کا دفعیہ ہمارے امکان سے خارج ہے اسکی وجہ یہہ ہے کہ اس حالت کے اسباب جو اوپر بیان کئے گئے اب تک بدستور باقی ہیں بلکہ روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ اور نیز یہ کہ اکثر لوگوں کو عورتوں کے ساتھہ نیک اور شریفانہ سلوک اور عمدہ اور مہذبانہ برتاؤ کرنے کی طرف میلان پیدا ہو گیا ہے اور وہ اُنکی خوشی کو مقدم سمجھنے اور اُنکی فرمایشوں کی تعمیل کرنے لگے ہیں۔ اکثر مردوں کے دلوں میں عورتوں کی طرف سے ایک حد تک اعتبار و اعتماد پیدا ہو گیا ہے جو چند سال پیشتر نہ تھا اور اس حالت کا احساس عورتوں کو بھی ہو گیا ہے اور وہ اس آزادی کو اپنا ایک واجبی حق اور منجملہ ضروریات معیشت کے سمجھنے لگی ہیں پس اسوقت مردوں کو اپنی عورتوں کے ساتھہ ایسا برتاؤ کرنا آسان نہیں ہے جو چالیس برس پیشتر کیا جاتا تھا پس ہمارا فرض یہہ ہے کہ اِن نقصانات کے دفعیہ کی تدبیریں کریں جن کا منشاء پردہ کی تخفیف خیال کیا جاتا ہے۔ اس بارہ میں تربیت سے بہتر کوئی علاج نہیں ہو سکتا جو عورتوں کو ہر قسم کی بدتمیزی اور بدچلنی سے روکنے والا ہے۔

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ تعلیم و تربیت سے تو عورتوں کے اخلاق و عادات کی اصلاح ہوتی ہے مگر آزادی اور مطلق العنانی سے سوائے آوارگی اور فسق و فجور کے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اِسکے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جو آزادی ہم عورتوں کو دینا چاہتے ہیں اُس میں یہہ بھی شرط لگی ہوئی ہے کہ اجنبی مرد کے ساتھہ تخلیہ کرنا ممنوع ہے۔ اس سے اُن تمام مفاسد کا بخوبی دفعیہ ہو جائیگا جو صرف تخلیہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر آزادی فی نفسہ کسی حالت میں مضر نہیں ہو سکتی جب کہ اصلی اور واقعی تربیت کے ساتھہ دی جائے کیونکہ

یہی تربیت ایسی زبردست اور مستقل مزاج افراد پیدا کرتی ہے جو صرف اپنی ذات پر بھروسہ
کرتے اور اپنے بل پر کھڑے ہوتے ہیں۔ پس جس شخص کی مکمل طور پر تربیت ہوگی وہ صرف
اپنی ذات پر بھروسہ کریگا اور سب سے مستغنی ہوگا۔ اور جسکی تربیت ناقص اور ناتمام رہیگی وہ
تمام باتوں میں غیروں کا محتاج اور دست نگر رہیگا۔ پس جسطرح مردوں میں بھی خودداری
اور استقلال کا پیدا ہونا مفید ہے اسی طرح یقیناً عورتوں کے لئے بھی مفید ہوگا اور اُن کو
ہر قسم کی دنائت اور بد اخلاقی سے روکے گا۔ اِسلئے عورتوں کی تربیت سے صرف یہی غرض
ملحوظ ہونا چاہیئے۔

حسن تربیت اور استقلال ارادہ یہی دونوں چیزیں ہر ایک زمانے اور ہر ایک قوم
میں مردوں کی ترقی اور اُن کو درجہ کمال پر پہونچانے کے بہترین وسائل شمار ہوتے رہے ہیں
پس کسطرح کوئی عقلمند شخص اِس بات کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ عورتوں پر اُن کی تاثیر ناقص
ہوگی؟ جو لوگ یہہ خیال کرتے ہیں کہ تربیت اور استقلال ارادہ عورتوں کے لئے
اخلاقی تباہی اور بدچلنی کا باعث ہونگے اُن کی نظر بعض خاص اعتبارات پر محدود رہی ہے
جن سے دنیا کا کوئی مفید کام خالی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہر ایک مفید چیز مضرت اور نقصان
سے خالی نہیں ہے اگر اس کا بُری طرح استعمال کیا جاوے۔

مردوں کی تعلیم پر غور کرو، اُس میں بھی تم کو بے شمار نقصانات نظر آئیں گے بہت
سے تعلیم یافتہ اشخاص اپنے علم و فضل کو اپنی ذات یا دوسرے شخصوں کے نقصان رسانی
میں استعمال کرتے ہیں۔ پس اِس بنیاد پر کون کہہ سکتا ہے کہ مردوں کو تعلیم دینا مناسب
نہیں ہے، کیونکہ اِس امر کا خوف کہ وہ اپنے علم کو اپنی ذات اور دیگر شخصوں کو نقصان پہونچانے
میں صرف کرینگے، اور یہہ کہ اِن کو غفلت اور جہالت کی حالت میں چھوڑ دینا ضروری

ھے ؟ غالباً اس بات کا خیال کبھی کسی عقلمند شخص کے ذھن میں نہیں گذر سکتا۔ پس جبکہ اس امر پر اجماع و اتفاق ھو چکا ھے کہ مردوں کے لئے جاھل ھونا اور غلامی کی حالت میں رھنا معیوب ھے اور انسانی فضائل اور کمالات حاصل کرنے کے لئے ان کو علم، عمل اور آزادی رائے کی سخت ضرورت ھے تو کیا وجہ ھے کہ جب عورتوں کا ذکر کیا جاتا ھے تو ھم اس مقدمہ کی صحت میں اختلاف کرنے لگتے ھیں ؟ حالانکہ فطرت اور خلقت کے لحاظ سے دونوں جنسوں (عورتوں اور مردوں) میں کچھ فرق نہیں ھے۔

حق بات یہ ھے کہ ھم نے عورتوں میں عفت کی صفت کا لحاظ کرنے اور اوس کی حفاظت کے لئے ھر قسم کے وسائل مہیا کرنے اور اُسکی عظمت و شان کو بڑھا چڑھا کر دکھلانے میں نہایت مبالغہ سے کام لیا ھے اور باقی تمام چیزوں کو اِس پر نثار کر دیا ھے بے شک عفت عورتوں میں ایک نہایت خوشنما اور اعلیٰ درجہ کی صفت اور اُنکی اخلاقی آرائش کے لئے بہترین زیور ھے لیکن وہ اُن دیگر صفات کے قایم مقام نہیں ھو سکتی جن کا عورتوں میں ھونا نہایت ضروری اور لابدی ھے۔ عقل حسن تدبیر، اولاد کی تربیت کی قابلیت، خانگی انتظام کی لیاقت یہ ایسی صفات ھیں جن کا عورت میں موجود ھونا نہایت ضروری ھے اور جن کو عفت کی تکمیل میں بہت بڑا دخل ھے۔ ان ضروری صفات میں سے اگر کوئی صفت عورت میں موجود نہ ھو تو اس سے اُسیقدر عورت کی تحقیر اور بے قدری ھوگی جسقدر کہ عفت کے نہ ھونے سے ھو سکتی ھے۔

تمام آسمانی شریعتیں اور انسانی قوانین اس امر میں متفق ھیں کہ عقد نکاح ایک ایسی چیز ھے جسکے ذریعہ سے عورت اور مرد کا جمع ھونا جائز اور حلال ھو جاتا ھے اور اس مقدس عقد کے بغیر ممنوع اور قابل نفرت ھے۔ خاندانی نظام اور نفس انسانی کے کمال کا یہی اقتضا

ہے جس کے خلاف عمل کرنا بے شک قبیح اور مذموم ہے لیکن اُن آسمانی شریعتوں اور انسانی قوانین نے اور بہت سے کاموں کی ممانعت کی ہے اور مثل زنا کے اُن کو بھی حرام قرار دیا ہے، اور بہ نسبت زنا کے زیادہ سخت سزائیں اُنکے لئے تجویز کی ہیں۔ اس لئے کہ نظام عالم کو اُن سے جو صدمہ پہنچ سکتا ہے وہ زنا سے زیادہ سخت ہے دیکھو قتل کا جرم مذہب اور قانون کے نزدیک زنا سے زیادہ سخت ہے، پس کیا وجہ ہے کہ ہم اُسکی انسداد کے لئے ایسے نقصان دہ وسائل استعمال نہیں کرتے جیسے زنا کے انسداد کے لئے کرتے ہیں

ظاہر ہے کہ ہم پر ساعت بساعت قسم قسم کے بے شمار مصائب نازل ہوتے ہیں، مگر وہ ہمکو ہاتھ پاؤں ہلانے اور کوشش کرنے اور کسب معیشت کے لئے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے سے نہیں روک سکتے اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے گرد و پیش قتل و غارت، چوری اور ڈکیتی، جعل سازی اور فریب بازی وغیرہ وغیرہ سنگین جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے جن سے ملک کی اطمینانی حالت میں فتور اور برہمی پیدا ہو جاتی ہے مگر باوجود اس کے ہم اِن سخت ترین مصائب کو برداشت کرتے اور تقدیر پر راضی اور شاکر رہتے ہیں، اور جرائم سے ملک کو پاک صاف کرنے کے لئے صرف جائز وسائل استعمال کرتے ہیں مثلاً مجرموں کو سزا دینا اور تعلیم و تربیت کی اشاعت کرنا پس درحقیقت کسی عورت کا فحش کا ارتکاب کرنا اسی قسم کا ایک جرم ہے جس سے کوئی انسانی گروہ خالی نہیں ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ ہم اُس کو سخت اور قبیح ترین جرم خیال کرتے ہیں اور اُس کے انسداد کے لئے ایسے نقصان دہ وسائل استعمال کرتے ہیں جو اُسی درجہ کے دوسرے جرائم کے انسداد کے لئے نہیں کرتے۔

بہر حال یہہ امر کسی طرح جائز نہیں کہ ہم صرف وہمی اور خیالی نقصان سے بچنے کے لئے

ایسے وسائل عمل میں لائیں جن میں حقیقی نقصان ہو۔ پس عورت سے زنا کا سرزد ہونا ایک احتمالی امر ہے جو کبھی واقع ہوتا ہے اور بسا اوقات نہیں واقع ہوتا مگر اُسکو پردہ کی قیود میں مبتلا کرنے اور اُسکی جسمانی اور عقلی قوتوں سے فائدہ اٹھانے سے روکنے میں حقیقی نقصان ہے جو یقینی طور پر برداشت کرنا پڑتا ہے۔

ہماری قوم کے بعض اشخاص یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر پردہ اوٹھا دیا جائے تو ہماری عورتیں دوسرے مردوں کی طرف مائل ہونگی۔ اور اسی لئے وہ ان کو چار دیواری میں بند کرکے قفلوں کے ذریعہ سے اُن کی حفاظت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب اُن کو وسوسوں اور توہمات سے اطمینان قلب حاصل ہوگیا ہے۔ مگر اُن کو معلوم نہیں کہ بسا اوقات محفوظ پردہ گاہوں کے اندر ناگوار واقعات پیش آتے ہیں اور اُن وسائل احتیاط سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا لیکن وہ اپنے اس طرز عمل سے بہت سے زندہ آدمیوں کو بیکار کردیتے ہیں جو اُن کی بیبیوں کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔

عورتوں کے متعلق یہ توہمات جو بالفعل ہماری قوم کے دماغوں پر مسلط ہو رہے ہیں گذشتہ زمانے میں بہت سی قومیں اِن توہمات میں مبتلا رہی ہیں۔ اور جسطرح ہم نے اپنی عورتوں کو پردہ کی قیود میں ڈال رکھا ہے اُنہوں نے بھی یہی سخت برتاؤ اپنی عورتوں کے ساتھ کیا ہے۔ بلکہ اُنہوں نے اپنی عورتوں کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے کی غرض سے جو جو طریقے ایجاد کئے تھے وہ ہمارے خواب وخیال میں بھی نہیں آئے۔ یورپ کے شرفا اور اعلیٰ طبقہ کے لوگوں میں عورتوں کی عصمت کی حفاظت کی غرض سے قرون متوسطہ میں ایک عجیب وغریب طریقہ مستعمل تھا جو "محافظ عصمت" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ایک لوہے کی چیز تھی جو بطور جانگیہ کے عورت کو پہنادی جاتی تھی اور اُس میں قفل لگادیا جاتا تھا اور اُس کی کنجی ہمیشہ شوہر کی جیب میں رہتی تھی مگر اس سے بھی بدچلن عورتوں کی بدچلنی کا

اندادہ نہ ہوسکا، کیونکہ اکثر عورتیں مصنوعی کنجیاں اپنے عاشقوں کے حوالہ کردیتی تھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد اُن لوگوں کو معلوم ہوا کہ اِن توہمات سے فائدہ کی نسبت نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جب ان میں علوم فنون کی اشاعت ہوئی اور اُنہوں نے اپنے خانگی کاروبار کو عقل سلیم اور علم صحیح سے جو وہم کی آمیزش سے پاک صاف تھا جانچنا شروع کیا، تو اِن کو معلوم ہوا کہ اُس وقت تک قومی سعادت و فلاح ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ عورتیں قومی کوششوں میں اُن کا ہاتھ نہ بٹائیں۔ اسلئے اُنہوں نے اپنی عورتوں کو تعلیم و تربیت کے ساتھ آراستہ کرنا شروع کیا، اور اِن کو قید سے آزادی حاصل ہوئی اور کاروبار زندگی میں وہ مردوں کی مدد کرنے لگیں۔ اگر یہہ کہا جاے کہ یوروپ کے موجودہ تمدن کی عظیم الشان اور سربہ فلک عمارت جو تم کو نظر آرہی ہے اُس کا بنیادی پتھر عورت ہی ہے تو کچھ مبالغہ نہیں ہے۔

عورتوں کی تربیت سے اہل یوروپ کو صرف یہی فائدہ حاصل نہیں ہوا جسکی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے بلکہ اِس سے اور بے شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں جو تدبیر منزل اور اصول کفایت شعاری سے تعلق رکھتے ہیں۔

تم کسی متوسط طبقہ کے یوروپین شخص کے مکان میں جاکر دیکھو، تم کو معلوم ہوگا کہ وہاں انتظام کی خوبی اور ترتیب کی عمدگی اور فرنیچر کی صفائی اُسی طبقہ کے مشرقی شخص کے مکان کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ مگر باوجود اِسکے مشرقی شخص کی نسبت اُس کے اخراجات بھی بہت ہی کم ہونگے۔

ہماری قوم کے کسی شخص کو دیکھو، ضروری بات ہے کہ اُس کا مکان دو حصوں پر منقسم ہوگا۔ ایک حصہ مردوں کے لئے اور دوسرا عورتوں کیلئے۔ پس جو شخص ایک مکان

بناتا ھے اُس کو درحقیقت دو مکان بنانے پڑتے ھیں اور جو شخص ایک مکان کرایہ پر لیتا ھے اُسکو دو مکان کرایہ پر لینا پڑتے ہیں اسیطرح گھر کے فرش فروش اور تمام اثاث البیت میں دگنے اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں، خدمتگار بھی دیوان خانہ اور زنانخانہ کیلئے جدا جدا رکھنے پڑتے ہیں، گاڑیاں بھی مردوں اور عورتوں کیلئے جدا جدا درکار ھوتی ھیں، کیونکہ ھمارے رواج کے مطابق یہہ امر معیوب خیال کیا جاتا ھے کہ کوئی شخص اپنی بیوی یا اپنی والدہ کے ساتھہ ایک گاڑی میں سوار ھوکر ھوا خوری کو جائے، اگر کوئی عورت یا مرد مہمان آجاتا ھے تو ایک دسترخوان کی جگہہ لازمی طور پر دو دسترخوان بچھانے پڑتے ھیں۔ غرضکہ اسی طرح بہت سا روپیہ فضول اخراجات میں برباد ھوتا ہے جسکا اصلی سبب صرف پردہ کی سختی ھے۔

کیا مصر کے باشندے خیال کرتے ہیں کہ اہل یورپ جو علمی اور عقلی کمالات کے لحاظ سے اس درجہ پر پہونچ گئے ہیں کہ اُنھوں نے اسٹیم اور الکٹرسٹی اور نیچر کی دیگر قوتوں کو مسخر کرکے اُن سے طرح طرح کے کام لئے ہیں جن کو ھم اپنی آنکھوں سے دیکھہ رھے ھیں، جو علم اور عزت اور دنیوی عیش حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے سے ہرگز درگذر نہیں کرتے، اگر درحقیقت عورت کی عصمت کی حفاظت کا کوئی طریقہ ہوتا تو اُن باریک بین عقلوں سے مخفی رھتا جن کے حیرتناک اور تعجب انگیز آثار دنیا بھر میں ھم بچشم خود مشاہدہ کر رھے ھیں؟ کیا مصر کے باشندے خیال کرتے ہیں کہ اگر پردہ میں کوئی فائدہ ہوتا تو اہل یورپ اُس کو ترک کرسکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ درحقیقت پردہ منجملہ اُن وسائل کے ھے جن کو صرف بیوقوف آدمی پسند کرتے اور اُن پر اطمینان رکھتے ہیں۔ مگر جن کی عقلیں مہذب اور خیالات لطیف اور نازک ہیں وہ اُسے نہایت نفرت اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

جب عقل مہذب اور خیالات لطیف اور نازک ہو جاتے ہیں تو مرد کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ عورت بھی مثل مرد کے انسان ہے، جس میں تمام انسانی خواص موجود ہیں، اور یہہ کہ شریعت نے جو باتیں ہر ایک شخص پر دوسرے کے لئے فرض کی ہیں اُنکے بجالانے کے بعد ایک کو دوسرے پر جبر کرنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔

جب عقل مہذب اور خیالات لطیف اور نازک ہوتے ہیں تو مرد کو معلوم ہو جاتا ہے کہ موجودہ پردہ درحقیقت عورت کو معدوم کر دیتا ہے اسکے بعد اُس کا کانشنس اسکو اجازت نہیں دیتا کہ وہ محض خیالی اطمینان حاصل کرنے کی غرض سے اس سنگین جرم کا مرتکب ہو۔

جب عقل مہذب اور خیالات لطیف اور نازک ہو جاتے ہیں تو شوہر کو یہہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ جاہل عورتوں کیطرف سے کسیطرح اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا خواہ اُنکے اور مردوں کے درمیان کیسی ہی بلند اور سنگین دیواریں حائل ہوں

جب عقل مہذب اور خیالات لطیف اور نازک ہو جاتے ہیں تو مرد کو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ لذیذ چیز وہ محبت ہے جو اُس کے اور اُس جیسے دوسرے انسان کے درمیان نفسانی خواہشات سے نہیں بلکہ محض حسن اختیار اور ذوق سلیم کی بنیاد پر ہوتی ھے۔ پس جہان تک ممکن ھوتا ہے وہ اُسکی حفاظت اور اُس کے مستحکم کرنے میں کوشش کرتا ہے۔

جب عقل مہذب اور خیالات لطیف اور نازک ہوتے ہیں تو مرد اور عورت دونوں صرف جسمانی اختلاط پر قناعت نہیں کرتے بلکہ وہ عقلی اور روحانی اتحاد کے مستحکم کرنے میں زیادہ تر مصروف رہتے ہیں۔

اِس زمانے کی طبیعت جس میں ہم بالفعل موجود ہیں جابرانہ خود مختاری اور غلامی کے بالکل منافی اور انسانی قوتوں کو ایک شاہراہ اور ایک مقصد کی طرف مایل کرنے والی ہے - یہہ ربانی الہام جس نے انسانی نفوس کو خواب غفلت سے بیدار کیا ہے عورتوں کو بھی ضرور اُس سے حصہ ملے گا - پس ہم پر واجب ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول " اتقوا اللہ فی الضعیفین المرأۃ والیتیم " پر عمل کرکے عورتوں کے لئے مساعدت کا ہاتھ بڑھائیں - ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن کے ساتھ اچھا سلوک اور عمدہ برتاؤ کریں اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے اُن کے نفوس کو درجہ کمال پر پہونچائیں تاکہ وہ اوہام اور ناجائز رغبتون کی مدافعت کرسکیں - ہم کو چاہئیے کہ ہم اُن کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آئیں اور اُن پر کسی قسم کا جبر و تشدد جائز نہ رکھیں - کیونکہ یہہ تمام باتیں ایسی ہیں جو شریعت اور انسانیت نے ہم پر فرض کی ہیں - اور یہی ہمارے قومی فرائض ہیں جن کا ادا کرنا ہم پر واجب ہے، تاکہ قوم کے تمام افراد زندہ اور کام کرنیوالے اور اپنے فرائض کو ہوشیاری اور قابلیت کے ساتھ انجام دینے والے ہو جائیں -

اِس باب کے ختم کرنے سے پیشتر میں اپنے ناظرین کو تنبیہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب تک ہماری عورتوں کی یہی حالت ہے میں پردہ کا ایک لخت اُٹھا دینا نہیں چاہتا کیونکہ میرے نزدیک اس انقلاب سے بے شمار خرابیاں پیدا ہونگی، اور جو غرض مقصود ہے وہ بھی حاصل نہ ہوگی، جیسا کہ ہر ایک فوری انقلاب موجب خرابی اور ناکامی ہوتا ہے بلکہ میری خواہش یہہ ہے کہ لڑکیوں کو بچپن ہی سے اس انقلاب کے لئے آمادہ اور تیار کیا جائے تاکہ وہ استقلال کی خوگر ہوں اور اُن کو اس بات کا یقین ہو کہ عفت منجملہ نفسانی ملکات کے ایک ملکہ ہے، وہ کوئی کپڑا نہیں ہے جس میں بدن کو چھپا لیا جائے - اور شرعی حدود

اور اخلاقی اصول کی پوری رعایت کرکے اپنے سرپرستوں کی نگرانی میں اجنبی مردوں اور رشتہ داروں
کے ساتھ معاملہ کرنے کی ان کو عادت ڈالی جائے۔ اس طرح وہ نہایت آسانی کے ساتھ
مردوں سے معاملہ کرنے کی عادی ہو جائینگی اور سوائے خاص خاص حالتوں کے جن سے
پردہ نشین بھی خالی نہیں رہ سکتیں کسی قسم کی خرابی پیدا نہ ہوگی،

مصر کے تمام تعلیم یافتہ اشخاص جن کو خوش قسمتی سے اپنی قوم کے حالات معلوم
کرنے اور بالاستیعاب اس کی ہر قسم کی ضروریات سے واقف ہونے کا موقع ملا ہے
اُن کو معلوم ہے کہ آج مصری قوم کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا ہے جو اُس کے
گذشتہ تاریخی دوروں کی نسبت نہایت وقیع اور مہتم بالشان ہے۔

مجھکو اُس کی گذشتہ تاریخ میں کوئی ایسا زمانہ معلوم نہیں ہے جو علوم و فنون کی اشاعت
ہونے، قومی اور وطنی تعلقات کا شعور اور احساس پیدا ہونے، ملک کے ہر حصہ میں امن
و انتظام قایم ہونے، قومی ترقی اور کامیابی کے مختلف اسباب فراہم ہونے کے لحاظ سے
مثل اس زمانہ کے ہو جس میں ہم اس وقت موجود ہیں۔ لیکن اگر دوسرے پہلو سے دیکھا
جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مصری قوم کی زندگی جسقدر کہ آج کل معرض خطر میں ہے ایسی
کبھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس وقت مغربی قوموں کا تمدن اسٹیم اور بجلی کی مانند سرعت اور تیزی
کے ساتھ ترقی کرتا جاتا ہے۔ وہ اپنے منبع سے نکلکر تمام کرہ زمین پر جہاں جہاں انسان
کی آبادی پائی جاتی ہے پھیل گیا ہے اور تقریباً دنیا میں ایک انچہ زمین بھی ایسی باقی نہیں رہی
جو اُس کے قدموں سے پامال نہ ہو چکی ہو۔ مغربی تمدن جس ملک میں داخل ہوتا ہے اُس کی
زراعت، تجارت اور صنعت حرفت وغیرہ تمام وسائل ثروت اور ذرایع دولت پر قابض اور
مسلط ہو جاتا ہے۔ اور اپنے ذاتی فوائد حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے وسائل

استعمال کرتا ہے خواہ وہ ملک کے تمام اصلی باشندوں کو سخت نقصان پہونچانے والے ہوں۔ کیونکہ وہ صرف دنیوی سعادت اور بہبودی کا خواستگار رہے، جہاں کہیں جاتا ہے اور جس طریقہ سے ممکن ہوتا ہے اُس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اکثر اوقات اپنے ان مقاصد کے حاصل کرنے میں صرف عقلی قوت کا استعمال کرتا ہے، لیکن اگر ضرورت پڑتی ہے تو سختی اور جنگی قوت سے بھی کام لیتا ہے۔ وہ اپنے وسیع ملکوں اور زرخیز نو آبادیوں کو موجب فخر و مباہات نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اُس کے عقلی کام اور علمی اختراعات اس مطلب کے لئے کافی ہیں۔ جو چیز انگریزوں کو ھندوستان میں اور فرانسیسیوں کو الجزائر میں اور روسیوں کو چین میں اور اھل جرمن کو زنجبار میں رھنے پر مجبور کرتی ہے وہ ذاتی منفعت کی محبت اور اُن ممالک سے دولت اور ثروت حاصل کرنے کی رغبت ہے جن کے خزانے قدرتی دولت سے مالامال ہو رہے ہیں اور وھاں کے باشندے اُن کی قدر و قیمت سے ناواقف ہیں۔

یورپ کے مہذب اور شایستہ باشندے جب کسی وحشی قوم کو پاتے ہیں خواہ اُسکی قوت اور سطوت کیسی ہی زبردست ہو اُس کو برباد اور ھلاک کر دیتے یا ملک سے جلاوطن کر دیتے ہیں، جیساکہ امریکہ اور اسٹریلیا میں ہو چکا ہے اور آجکل افریقہ میں ہو رہا ہے کیونکہ افریقہ کے جن حصوں میں یورپ کے باشندوں نے نزول اجلال فرمایا ہے وہاں کے اصلی باشندے بالکل ملیامیٹ کر دیئے گئے ہیں، اُن کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ اور اگر کسی ایسی قوم کو پاتے ہیں جیسے کہ ھماری قوم ہے، جس میں پہلے سے کسیقدر تہذیب اور شایستگی پائی جاتی ہے اور جس کے پاس اپنی گذشتہ عظمت اور جبروت کی یادگار قدیم تاریخی سرمایہ موجود ہے، اور جو ایک خاص مذھب اور شریعت کا اتباع کرنے والی

اور اپنے خاص خاص اخلاق و عادات کی پابند ہے تو اہل یورپ اُنکے ساتھ اختلاط اور میل جول پیدا
کرکے اول اول نہایت فیاضی اور کشادہ دلی کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد معلوم ہوجاتا
ہے کہ ان نووارد مہمانوں نے دولت اور ثروت کے تمام ذرایع پر قبضہ کرلیا ہے کیونکہ یہ مسلم عقل، دولت، اور قوت کے
لحاظ سے اُن سے بڑھکر ہوتے ہیں اور اس وجہ سے دن بدن ترقی کرتے جاتے ہیں۔
اور جسقدر وہ ترقی کرتے جاتے ہیں اُسی قدر ملک کے اصلی باشندے پستی اور تنزل کے
تاریک گڑھے میں گرتے جاتے ہیں۔ یہی وہ قانون ہے جسکو ڈاروِن (Darwin)
نے قانون التزاحم فی الحیات (Struggle for life.) کے نام سے موسوم
کیا ہے۔ یہہ خدا کی فطرت ہے جسکے مطابق اُس نے تمام ذی حیات نوعوں کو پیدا کیا ہے
اور ان میں کمالات کے اعلیٰ مدارج پر ترقی کرنے کے ملکات ودیعت رکھے ہیں۔ پس جو
قوم اس دائمی کشمکش میں اپنے حریف کے مقابلہ میں سست اور کمزور ہو جاتی ہے تو اُسکی
قوت مضمحل ہوکر رفتہ رفتہ صفحہ ہستی سے اُسکا نام ونشان مٹ جاتا ہے۔ مگر جو قوم اس
جنگ میں ثابت قدم رہتی ہے خداوند تعالیٰ اُس کو اس جہاد میں فتح دیتا ہے اور وہ میدان
جنگ سے کامیاب اور بامراد واپس جاتی ہے اور تمام نوع انسان سے افضل اور اعلیٰ
ہونے پر فخر کرتی ہے۔ ایسی قوم دنیا میں باقی رہتی اور بڑہتی اور پھولتی اور پھلتی ہے اور اُن
کمالات کا اظہار کرتی ہے جو نوع انسان کو نیچر نے عطا کئے ہیں اور اُسکے عظیم الشان اور حیرتناک
آثار صفحہ ہستی پر ابدالآباد تک باقی رہتے ہیں۔

اگر کوئی قوم تباہی اور ہلاکت سے بچنا اور صفحہ ہستی پر باقی رہنا چاہے تو اُس کا طریقہ
صرف ایک ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اور وہ یہہ ہے کہ اُسکو اس جدال و قتال کیلئے
مستعدی کے ساتھ تیار ہونا چاہیئے، اُسکو ویسی قوت بہم پہونچانا چاہیئے جیسی کہ اُس کے

تنازع للبقا

حریف کو حاصل، اور ویسے ہی آلات جنگ سے مسلح ہونا چاہیئے جن سے اُس کا حریف مسلح ہے۔ خصوصاً اُس کو علمی اور عقلی قوت کی نہایت ضرورت ہے جس پر تمام ھر قسم کی قوتوں کا دار و مدار ہے۔

پس اگر قوم اُن تمام علوم میں ماھر ہوجاوے جن میں اُس کی حریف اور مزاحمت کرنے والی قومیں مہارت رکھتی ہیں اور اصول تربیت میں اُنکی پیروی کرے اور اُسی قسم کے آلات جنگ سے مسلح ہو جن سے اُسکی حریف مسلح ہے تو ایسی حالت میں ممکن ہے کہ وہ اُن مزاحمت کرنے والی قوموں کے پہلو میں زندہ رہ سکے اور ترقی اور کامیابی کے میدان میں اُن کا مقابلہ کرسکے اور اُن پر غالب ہوسکے۔

ھلاکت اور بربادی سے نجات حاصل کرنے کا یہہ رستہ ھمارے سامنے کُھلا ہوا ہے، جس پر چلنے کے لئے ہم کو کوئی چیز روکنے والی نہیں ہے۔ مگر صرف ھماری ذاتی کمزوریاں ہیں جو ھم کو اس شاھراہ مین قدم رکھنے سے روکتی ہیں۔

پس اگر اھل مصر میں دلیری اور راستبازی موجود ہے اور دنیا میں اپنی زندگی کی حفاظت کرنے اور ھلاکت اور بربادی سے نجات حاصل کرنے کا عزم بالجزم ہے تو ان کو لازم ہے کہ وہ نہایت ھمت اور استقلال کے ساتھ اس رستہ میں قدم رکھیں، اور وہ اپنی تمام ناقص عادتوں اور نالائق خصلتوں کو دور کردیں جو اُنکی ترقی رفتار میں حائل اور سدراہ ہیں اور اپنی نفوس کی اصلاح کرنے میں صرف اپنی ذات پر بھروسہ کریں اور موہوم اُمیدوں اور دور از کار تمناؤں میں جنکا حاصل ہونا ہم گورنمنٹ کی مہربانی پر منحصر سمجھتے ہیں اپنی اوقات ضائع نہ کریں۔ کیونکہ گورنمنٹ ھمارے لئے جو کچھ کرسکتی ہے وہ نہایت قلیل اور حقیر اور بالکل ناکافی ہے مگر ھم بذات خود اپنے لئے سب کچھ کرسکتے ہیں کیا ھمارا بار بار یہہ کہنا کہ گورنمنٹ اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر

رھی ھمارے لئے کچھ مفید ہو سکتا ہے؟ کیا یہہ امر ھم کو اس بات سے مانع ہے کہ ھم اپنے
فائدہ کے لئے وہ فرائض انجام دیں جنکا انجام دینا ھم پر واجب ہے؟

جو عدل و انصاف اور آزادی آج ھمکو حاصل ہے اُسکی مثال کسی گذشتہ زمانہ میں مصر
کے خواب و خیال میں بھی نہیں آئی - یہہ دونوں باتیں ایسی ہیں جن کی قوم کو نہایت سخت ضرورت
ہوتی ہے اور جن کے بغیر قومی اصلاح کے عظیم الشان کاموں میں کامیابی نہیں ہو سکتی -
ھمکو چاہیئے کہ ھم اس مبارک موقع کو غنیمت سمجھیں - اور اپنی زمین کو جوتنے اور پانی سے
اُسکو سیراب کرنے میں کوشش کریں اور جب پھل تیار ہو جائیں تو ان کو توڑلیں - جسطرح کسان
کا فرض ہے کہ وہ تخم ریزی سے پہلے زمین کی طبیعت اور اُسکی قوت کا اچھی طرح اندازہ کرے
اور اُسکی درستی اور تیاری میں جن چیزوں کی ضرورت ہے اُن سے واقفیت حاصل
کرے ، تاکہ اُس کی لاگت اور محنت برباد نہ ہو جاوے - اسی طرح ھم پر واجب ہے کہ ھم اپنے
تنزل اور انحطاط کے اسباب پر غور کریں ، اور وہ جب ھم کو معلوم ہو جائیں تو اُن کے دفعیہ
کرنے کی کوشش کریں ، اور آوارہ گردی اور بے راہ روی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں ،
اور ناکارہ اور بے نتیجہ تجربوں سے اپنے دلوں کو راحت دیں -

قبل اسکے کہ ھم وہ بحث شروع کریں جو ھم کو اس مقام پر کرنا منظور ہے ھم ایک امر ثابت
کرنا چاہتے ہیں جو اُن تمام اشخاص کو معلوم ہے جن کو کسی قدر مشرق کے حالات سے
واقفیت ہے - اور وہ یہہ ہے کہ تمام مشرقی ممالک میں بالعموم مسلمانوں پر تنزل چھایا
ہوا ہے خواہ وہ کسی ملک میں ہوں - پس اس عام تنزل اور انحطاط کا سبب بھی عام ہونا چاہیئے
گروھوں اور اقلیموں کے اختلاف کو مسلمانوں کے عام تنزل اور انحطاط میں کچھ زیادہ
دخل معلوم نہیں ہوتا - کیونکہ اگر ان مراتب کا اثر ہوتا تو ترکوں مصریوں ، چینیوں ، ایرانیوں ،

اور ہندوستانیوں میں تمدن اور شائستگی کے لحاظ سے بین فرق پایا جاتا، حالانکہ ھمھم اس لحاظ سے ان میں کچھ بھی تفاوت نہیں پاتے۔ صاف اگر ان میں کچھ اختلاف ہے تو وہ محض بعض نفسانی صفات یا بعض عادات اور رسم و رواج کے لحاظ سے اختلاف ہے۔ مثلاً ترکوں میں عام طور پر صفائی اور پاکیزگی، دلیری اور راستبازی پائی جاتی ہے اور مصری اس کے بالکل برعکس ہیں۔ مگر باوجود اس اختلاف کے وہ دونوں جہالت، سستی اور کاھلی، تنزل اور انحطاط کے لحاظ سے باھمم متفق ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ ان دونوں میں کوئی مشترکہ علت ہوگی اور وھی اصلی سبب ہوگا جس نے ان دونوں کو ایک حالت پر پہونچا دیا ہے۔

چونکہ مذہب کے سوا کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو تمام روے زمین کے مسلمانوں میں مشترک ہو اس لئے بالعموم یوروپین عالموں اور اکثر مسلمان فاضلوں کی یہہ راے ہے کہ مسلمانوں کے عام قومی تنزل اور انحطاط کا اصلی سبب صرف اُن کا مذہب ہے۔ اس سے اُن عالموں اور خصوصاً مسلمان فاضلوں کا، ھرگز یہہ منشا نہیں ہے کہ حقیقی مذہب اسلام مسلمانوں کے تنزل کا باعث ہے۔ کیونکہ مسلمانوں سے قطع نظر اجنبی قوموں کے اشخاص بھی جو اسلام سے واقف ہیں وہ اُس کو نہایت عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتے اور اُس کی نہایت قدر و منزلت کرتے ہیں، اور اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ مذہب اسلام کے گذشتہ تاریخی آثار سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ وہ انسان کو ترقی اور بہبودی کے اعلی مدارج پر پہونچانے کے لئے قوی ترین اور بہترین ذریعہ ہے۔ بلکہ اُنکا مقصد یہہ ہے کہ جس چیز کو آج کل کے مسلمان دین سمجھتے ہیں، اور جس کو عام مسلمان بلکہ اکثر علماء مذہب اسلام کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اور جو ایسے بے شمار عقائد

اخلاق و عادات پر مشتمل ہے جو سراسر بدعت ہیں اور جنکو حقیقی مذہب اسلام سے کچھ بھی علاقہ نہیں ہے وہ بے شک ترقی کا مانع اور مسلمانوں کے تنزل کا اصلی سبب ہے۔

اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ مذہب اسلام اپنے ابتدائی اُصول سے بالکل بدل گیا ہے اور سوائے چند روشن خیال بزرگوں کے اکثر علمار اور فقہار اپنی خواہشات کے مطابق اُس کے ساتھ لہو و لعب اور تمسخر کر رہے ہیں اور قرآن مجید کی یہہ آیت اُن پر صادق آرہی ہے "+ واتخذوا دینهم هزواً ولعباً وغرتهم الحیٰوة الدنیا"

لیکن مجھکو یقین ہے کہ یہہ اختلاط جو مذہب پر طاری ہوا ہے مسلمانوں کے موجودہ تنزل کا باعث نہیں ہے بلکہ وہ اُس عام جہالت کا نتیجہ ہے جو بالعموم مسلمان عورتوں اور مردوں پر مسلط ہو رہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے عظام اور صحابہ کرام آن واحد میں دینی اور دنیوی خدمات انجام دیتے تھے۔ سنت نبوی نے اس امر کی تصریح کی ہے جس پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ مذہب کا قیام ناممکن ہے جب تک کہ اُسکی حفاظت کرنے کی کوئی قوت نہ ہو۔ ظہور اسلام سے ایک صدی نہ گذری تھی کہ مسلمانوں کی سلطنت کا پھریرا دنیا کے اکثر مشہور ملکوں پر لہرانے لگا۔ ان عظیم الشان فتوحات سے اُن کی یہہ غرض ہرگز نہ تھی کہ مفتوح قوموں کو بجبر دین اسلام میں داخل کیا جائے بلکہ وہ صرف مدافعت کی غرض سے لڑتے تھے اور اپنے ملک و سلطنت کے وسعت دینے اور صناعت و تجارت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے ممالک فتح کرتے تھے یہی وہ مقصد ہے جسکے لئے آج کل یوروپین قومیں

+ ان لوگوں نے اپنے دین کو ہنسی اور کھیل بنا لیا تھا اور دنیا کی زندگی اِن کو دھوکے میں ڈالے ہوئی تھی۔

مشرقی ممالک کو تسخیر کرتی چلی جارہی ہیں۔

ظہورِ اسلام کو دو صدیاں نہ گذرنے پائی تھیں کہ تمام کرۂ زمین اُن علوم وفنون کی روشنی سے منور ہوگیا جن کی مسلمانوں نے اپنے مفتوحہ ممالک میں اشاعت کی تھی۔ انھوں نے علوم وفنون کی مختلف شاخوں میں سے کوئی شاخ ایسی نہیں چھوڑی جسکو انہوں نے نہ سیکھا ہو اور اِس پر کچھ اضافہ نہ کیا ہو اور اُس میں اپنی تصنیف وتالیف نہ چھوڑی ہو۔ حتی کہ علوم وفنون کے ترقی دینے میں عربوں نے بھی حصہ لیا جنکی نسبت ابن خلدون کا یہہ قول تقریبًا صحیح سمجھا جاتا ہے کہ "عربی قوم ھرگز تمدن اور شایستگی کی صلاحیت نہیں رکھتی" یہہ حرکت تمام علوم وفنون کی اُن شاخوں میں عام طور پر دیکھی جاتی تھی جو نظر اور فکر کی جولانگاہ بن سکتی ہیں اور جو انسانی ادراک سے باھر نہیں ہیں۔ علماء کی ایک جماعت علوم کلامیہ میں مصروف تھی۔ کچھ لوگ طبعیات کی تحقیق اور چھان بین کر رہے تھے اور کچھ لوگ ھندسہ اور ہیئت کے فروغ دینے میں مشغول تھے۔ بعض علما تاریخ وجغرافیہ کی تدوین میں منہمک تھے اور بعض فلسفہ واخلاق میں موشگافی کر رہے تھے۔ اُنھوں نے صنعت وحرفت اور تجارت کی ترقی دینے میں بھی کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تھی۔ قدیم زمانہ کی عالیشان اور سر بفلک عمارتیں جن کو زمانہ کے حوادث اب تک پامال نہیں کرسکے زبانِ حال سے اُن کی اعلیٰ درجہ کی صناعی اور دستکاری کو موجودہ نسلوں کے سامنے بیان کر رہی ہیں تاریخ شاہد ہے کہ اُن کے بے شمار جہاز اور کشتیاں تجارتی سامان سے لدی ہوئی قہار سمندروں میں کرۂ زمین کے گرد چکر لگاتی تھیں۔ یہہ حالت بلحاظ زمانے کے کسی قدر کمی بیشی کے ساتھ اُس وقت تک باقی رہی جبکہ مسلمانوں کو تاتاریوں کی دستبرد اور لوٹ مار سے سخت اندوہناک اور ناقابل تلافی صدمہ پہونچا اور دولت عباسیہ کا خاتمہ ہوگیا۔

عربوں کی سلطنت اندلس سے نکال دی گئی اور تمام اسلامی علوم و فنون یوروپ کی طرف منتقل ہو گئے
اور مسلمان اپنی قدیم جاہلیت کی حالت پر عود کر گئے۔
اسوقت سے تمام مشرقی ممالک میں علوم و فنون کا چراغ گل ہو گیا اور علماء اسلام صرف
علوم کلامیہ کے بعض مسائل اور عربی زبان کے قواعد کی درس و تدریس پر اکتفا کرتے رہے
اور باقی تمام علوم میں غور و فکر کرنا اُنہوں نے ترک کر دیا۔
جب اُنکی عقلوں پر جہالت سوار ہو گئی اور اُسکی تاریکیوں سے اُن کے ذہن لبریز
ہو چکے تو مذہب کی حقیقت کو سمجھنا اُنکی استطاعت سے باہر ہو گیا۔ اِن کو معلوم ہوا کہ
اُن کی کمزور عقل میں اسقدر قوت پرواز باقی نہیں رہی کہ وہ مذہب کی حقیقت پر مطلع ہو سکے
اِس لئے وہ مذہب کو اُس کے بلند اور اعلیٰ مرتبہ سے گرا کر اپنی جہالت کے ساتھ ایک سطح
پر لے آئے اور پھر اُس میں احمقوں اور نادانوں کی طرح تصرف کرنے لگے۔ جاہل ہی بچوں
کی طرح اپنے نفس کے دام فریب میں آکر اپنے علم و فضل پر نازاں ہوتا ہے، وہ خود بھی تکلیف
پاتا ہے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی تکلیف دیتا ہے۔
جاہل کو دیکھ لو وہ ہمیشہ دو خیالوں میں سے زیادہ غلط خیال اور دو طریقوں سے زیادہ
سخت اور دشوار طریقہ اور دو کاموں میں سے زیادہ نقصان پہونچانیوالا کام اختیار کرتا ہی اسکی وجہ
یہہ ہے کہ حق باطل کے ساتھ مشتبہ ہوتا اور دیکھنے والے پر مخفی رہتا ہے۔ حق و باطل
میں صرف وہی لوگ امتیاز کر سکتے ہیں جو نہایت بعید النظر دور اندیش اور انجام بینی میں کافی بصیرت
رکھنے والے ہیں۔ علاوہ ازیں وہاں تک پہونچنے میں تکلیف اُٹھانے کی ضرورت پڑتی
ہے جس سے کسلمند جاہل بہت دور بھاگتے ہیں۔
آج کل ہمارے علما کی یہہ رائے ہے کہ عالم کے حالات سے واقفیت حاصل

کرنا اور عقلی علوم اور دنیوی کاروبار میں مصروف ہونا بالکل فضول ہے۔ اب اُنکا انتہائی علم یہہ رہ گیا ہے کہ وہ بلا مبالغہ بسم اللہ کے اعراب کم از کم ایک ہزار طرح پر جانتے ہوں۔ اگر اُن سے کسی معمولی چیز کی نسبت پوچھو جو ہمیشہ ان کے استعمال میں رہتی ہے کہ وہ کس طرح بنائی گئی، یا اُس قوم کی حالت دریافت کرو جس کے وہ ممبر ہیں یا اُس قوم کی بابت استفسار کرو جو اُن کی ہمسایہ ہے یا اُن کے ملک میں وارد ہوئی ہے کہ وہ کس ملک کی رہنے والی اور قوت وضعف کے لحاظ سے کس درجہ میں ہے، بلکہ اگر ان سے اُن کے کسی عضو کی نسبت سوال کرو کہ اُس کا کون مقام ہے اور وہ کیا فعل کرتا ہے تو ایسے سائل اور اس قسم کے سوالات کی نسبت نہایت سخت حقارت اور نفرت کا اظہار کرینگے۔ اور اگر اُن کے ساتھ اُنکی گورنمنٹ کے اندرونی انتظام اور اُس کے قوانین اور اُسکی سیاسی اور مالی حالت کی نسبت گفتگو کرو تو معلوم ہوگا کہ وہ اس کوچہ سے بھی محض نابلد ہیں۔ خواہ عزت کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہوں یا ذلت کی حالت میں مگر بہر حال وہ پستی اور دنائت پر قانع اور راضی ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ آدمی کو مناسب نہیں کہ اپنی بہتری کے لئے کام کرنے کی تکلیف گوارا کرے۔ وہ اپنے زعم باطل میں یہہ سمجھتے ہین کہ اُنہوں نے اپنے تمام کاروبار تقدیر کو سونپ دئے ہیں حالانکہ وہ ناجائز ذریعہ سے رزق کے طلب کرنے اور دولت کے جمع کرنے اور اپنے خیال کے مطابق شرف عزت حاصل کرنے کے لئے حیلہ اور تدبیر کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتے یہہ ہی وجہ ہے کہ اُن کا باہمی بغض وحسد بطور ضرب المثل کے مشہور ہوگیا ہے۔ درحقیقت وہ کام کرنے کی مشقت سے جی چراتے ہیں اور صرف عام لوگوں کو گمراہ کرنے اور سادہ لوحوں کے فریب دینے کے لئے قضا و قدر کا حیلہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے شرعی فرائض کے ادا کرنے میں تقدیر کے ہاتھ سے لاچار ہیں۔

اِن غریبوں نے یہہ خیال کر رکھا ہے کہ جب صرف و نحو کے معمولی قواعد ازبر ہوجاتے ہیں اور صحیح عبارت پڑہنا آجاتی ہے تو وہ دین و دنیا کے علوم میں پورے فاضل ہوجاتے ہیں حالانکہ ان میں اور حقیقی مذہب اسلام میں بہت بُعد ہے۔

ہمارے استاد فاضل شیخ محمد عبدہٗ المصری نے اپنی جدید تصنیف رسالۃ التوحید میں اسلام کی نسبت ایک نہایت عمدہ عبارت ذکر کی ہے جس کو ہم اس مقام پر نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ کیونکہ آج کل مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لئے جسقدر لکھا گیا ہے استاد ممدوح کی تحریر سب سے زیادہ عمدہ اور مفید ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ۔

"اسلام نے حکم دیا کہ ہر شخص جو کام کر سکتا ہو وہ کرے مگر وہ اُس کے نفع نقصان کا ذمہ دار ہے جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے کہ "جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اُس کو دیکھہ لیگا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اُسکو دیکھہ لیگا" اور یہہ کہ "انسان کو اُتنا ہی ملیگا جتنی اُس نے کوشش کی۔" اور ہر شخص کو اجازت دی کہ وہ پاکیزہ اور ستھری چیزوں میں سے جو چاہے کھائے اور پہنے اور صرف وہی چیزیں حرام کیں جو اُس کی ذات کے لئے مضر تھیں یا اُنکا ضرر متعدی تھا۔ اور اسکے لئے حدود مقرر کیں جو تمام انسانی مصلحتوں پر پوری طرح منطبق ہیں غرضکہ ہر شخص کو اپنے کام میں مستقل اور مختار کر دیا جس سے اولوالعزم ہمتوں کے لئے کوشش کرنیکا میدان وسیع ہوگیا۔

> فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ
> لیس للانسان ماسعی

آبائی تقلید کے لشکر جو انسانی نفوس پر غالب ہورہے تھے، اسلام نے اُن پر ایک سخت حملہ کرکے اُن کو شکست دی اور تقلید کے اُصول جو خیالات میں راسخ ہوگئے تھے اُن کو جڑ سے اُوکھاڑ کر پھینکدیا۔ اُس نے عقل کو للکارا اور خواب غفلت سے جگایا اور

بلند آواز سے پکارا کہ انسان اسلئے نہیں پیدا کیا گیا کہ وہ اونٹ کی طرح مہار پکڑ کر کھینچا جاوے، بلکہ اُس کی فطرت میں اس بات کی قابلیت اور استعداد رکھی گئی ہے اکہ وہ علم کے ذریعہ سے ھدایت حاصل کرے اور واقعات اور حادثات کے اسباب اور دلائل کا سُراغ لگائے (معلم صرف رھنمائی کرنے والے اور بحث و جستجو کا طریقہ بتانیوالے ہیں) اُس نے اہل حق کی تعریف اس طرح کی "الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ" یعنی "وہ لوگ جو باتوں کو سنتے ہیں اور اُن میں سے اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں"۔ اس آیت میں اھل حق کا یہہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہنے والوں کو نہیں دیکھتے بلکہ اُن کے اقوال کو دیکھتے ہیں۔ اچھی باتوں کو لے لیتے ہیں غلط اور بیکار باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔

آبائی خیالات اور آبائی عقائد جو اولاد میں منتقل ہوتے ہیں اسلام نے اُنکی تردید کی اور جو لوگ پرانی لکیر کے فقیر اور اپنے آبا و اجداد کی رسوم کی پابند ہیں، اُن کی سفاہت اور حماقت کو تصریح کے ساتھ بیان کیا اور ظاھر کیا کہ پہلے زمانہ میں ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ علم و عقل میں زیادہ تھے، یا پچھلے زمانہ والوں کے ذھن اور عقلیں موجودہ زمانہ والوں کے ذھنوں اور عقلوں سے زیادہ تہیں، بلکہ تمیز اور فطرت کے لحاظ سے پچھلے اور اگلے سب برابر ہیں بلکہ اکثر پچھلے لوگ گذشتہ زمانہ کے حادثات اور واقعات سے واقف ہو کر زیادہ تجربہ کار اور باخبر ہو جاتے ہیں۔ گذشتہ زمانہ کے لوگوں کو اُنکی نافرمانیوں اور بداعمالیوں سے جو ناگوار نتایج بھگتنے پڑے ہیں اُن سے بہی موجودہ زمانہ کے لوگ فائدہ اُٹھاتے اور عبرت پکڑتے ہیں۔ "قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین" یعنی "اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ ملک میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ پیغمبروں کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا"۔

اسلام نے آبا و اجداد کی پیروی اور تقلید کرنے پر ارباب مذاھب کی مذمت کی جن کا قول یہہ تھا

"انا وجدنا آباءنا علی امۃ وانا علی اثارھم مھتدون - بل نتبع ما وجدنا علیہ اباءنا" یعنی ہم نے اپنے باپ داداؤں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور انہیں کے قدم بقدم ہم بھی ٹھیک رستے پر چلے جا رہے ہیں"۔ اس سے شہنشاہ عقل کو ہر قسم کی قید اور تقلید سے آزاد کر دیا اور اُس کو پھر اپنی سلطنت کا مالک و مختار بنا دیا کہ وہ اپنی حکمت کے موافق جس طرح چاہے حکم کرے"۔

نہایت خوشی کا مقام ہے کہ مصر و دیگر مشرقی و مغربی بلاد اسلام کے علماء کی وہی رائے ہے جو ہم نے ظاہر کی ہے۔ وہ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ اُن علوم کی تدریس سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا جو آج کل ازہر وغیرہ میں پڑھائے جاتے ہیں تا وقتیکہ اُن کی بنیاد اُن علمی حقائق پر نہ رکھی جائے جو عقل کو اُن علوم کے قبول کرنے اور اُن سے فائدہ اُٹھانے کے لئے آمادہ اور تیار کرتے ہیں۔

درحقیقت علوم توحید اور فقہ سے فائدہ اُٹھانا ممکن نہیں جب تک کہ عام معلومات اور علمی اصول میں کسیقدر واقفیت نہو۔ کیا علم توحید تمام علوم کا خاتمہ اور انکا خلاصہ نہیں ہے؟ کیا علم فقہ ایسے قوانین کا مجموعہ نہیں ہے جس سے ہر شخص کو اپنے خالق کے ساتھ ارتباط اور دیگر اشخاص کے ساتھ معاملات میں ہدایت اور رہنمائی حاصل ہوتی ہے؟ اور یہہ دونوں باتیں تشریح جسم اور افعال الاعضا اور علم النفس، تاریخ اور طبیعات وغیرہ پر منحصر ہیں جن سے خیالات بلند اور عقل روشن ہوتی ہے۔ کیا علم درحقیقت اُس ایک درخت کی مانند نہیں ہے، جس کی بے شمار شاخیں ہوں جو ایک جڑ سے اپنی غذا حاصل کرتی اور ایک سا پھل دیتی ہوں؟

ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن علماء اور فضلاء کی آراء پر مطلع ہوں اور اُن کی ہدایتوں کو پیش

کیونکہ وہ مذھبی ضروریات کو ھم سے زیادہ جانتے ہیں اور دنیوی ضرورتوں میں سے بھی
کوئی چیز ان پر مخفی نہیں ہے۔ ھم کو چاہیئے کہ ھم ان کی مفید اور کارآمد تجویزوں کی تائید
کریں تاکہ مذہب اپنی گہری اور لمبی نیند سے بیدار ہو اور اُن تمام دشوار گذار گھاٹیوں کو عبور
کر جائے اور اُن تمام مشکلات کو طے کر جائے جو اُس کے پیروؤں نے اُس کی راہ میں
پیدا کر دی ہیں۔

ھم کو ایسی بات کی توضیح اور تشریح کے لئے اطناب اور تطویل کی ضرورت نہیں ہے
جو سب کو معلوم ہو چکی ہے، اور وہ مذہب کا انحطاط ہے بلحاظ اُسکے تمام مظاھر کے
حتیٰ کہ عبادات کے لحاظ سے بھی۔ بلکہ ھم اس مقام پر یہہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مذہب
کا انحطاط عقلوں کے تنزل اور انحطاط کے تابع ہوتا ہے، اور یہہ کہ ابتدائی اور اصلی سبب
جو ان تمام بیشمار اسباب کا علت العلل ہے جو ھماری ترقی کی راہ میں حائل ہیں وہ عورتوں
اور مردوں کی تربیت کا ترک کر دینا ہے۔

اگر بدقسمتی سے یہہ سبب بدستور باقی رہا تو قوم کی حالت کسی طرح قیامت تک بھی
نہیں سدھریگی بلکہ اُسکے تنزل اور دنائت کی تمام حالتیں بدستور باقی رہیں گی، اور مذہب
بھی اپنی موجودہ حالت پر قایم رہیگا۔ اور اگر یہ سبب زائل ہوگیا تو قوم کی تمام حالتین بلحاظ
عقلی اور اخلاقی زندگی کے سدھر جائیں گی، اور اُسکے ساتھہ مذہب کی بھی اصلاح
ہو جاے گی۔

یہہ امر کہ مردوں کی تربیت سے قوم کی حالت سدھرتی اور اُسکے عیوب اور نقائص
کی اصلاح ہوتی ہے سب کو معلوم ہو چکا ہے اور سب کے نزدیک مسلم ہے، مگر
عورتوں کی تربیت کی ضرورت ثابت کرنیکے لئے مزید توضیح کی ضرورت ہے۔

ظاہر ہے کہ عورت اُسی وقت انسان کامل بن سکتی ہے جبکہ اُس کی جسمانی اور عقلی تربیت مکمل طور پر کی جاے۔ جسمانی تربیت اس لئے لازمی ہے کہ اُسکے بغیر حفظ صحت اور حفظ جمال ناممکن ہے۔ پس ضرور ہے کہ جسطرح مردوں کو ورزش اور حرکت اور ریاضت کے ذریعہ سے جسمانی تربیت دی جاتی ہے اسیطرح عورتوں کو بھی دیجاے۔ کیونکہ جن لوگوں کے جسم کمزور ہوتے ہیں اُنکی عقلیں بھی کمزور ہوتی ہیں اور نیز اس لئے کہ عورتوں کو جو اکثر اعصابی یا دماغی امراض عارض ہوتے ہیں اُنکی وجہ یہی ہے کہ اُنکے اعضاے جسم کے افعال غیر منتظم اور مختل ہوتے ہیں۔

پس تمام حالات کے لحاظ سے عقل کی صحت وسلامتی جسم کی صحت اور تندرستی پر موقوف ہے۔ اور یورپ کی دیگر اقوام سے انگریزی قوم کی ترقی اور افضلیت کا اصلی بھید یہی ہے۔

میرے معزز اور محترم دوست احمد فتحی زغلول بک نے جو کتاب حال میں فرانسیسی زبان سے عربی میں ترجمہ کی ہے اُس کے پڑھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ انگریزوں کی ہمت اور جرأت، نشاط اور اُمنگ، الوالعزمی اور دوراندیشی اور نیز وہ تمام صفات جن میں اُن کے ممتاز اور افضل ہونے کا تمام قومیں اعتراف کرتی ہیں کرکٹ اور فٹ بال کھیلنے، گھوڑے پر سوار ہونے اور پانی میں تیرنے کا نتیجہ ہے۔ اور کاموں میں آزادی اور خود مختاری کو اُن کے بچوں کی تربیت میں بہت بڑا دخل ہے خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ یہی وجہ ہے کہ فرانسیسیوں اور دیگر قوموں نے اُنکی تقلید شروع کردی ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے سمجھ لیا ہے کہ عقلی تربیت محض بے نتیجہ ہے جب تک کہ اُسکے ساتھ جسمانی تربیت نہ دی جاے اور نیز جب تک اعضاے جسم کے افعال ایک منتظم حالت پر قایم نہ ہونگے اُسوقت تک عقل کا نتیجہ

اور سلیم ہونا ممکن نہیں ہے۔ غالباً ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ بچہ اپنے ماں باپ سے اور خصوصاً اپنی ماں سے جسمانی اور عقلی حالت (جو حمل کے وقت ہوتی ہے) بطور وراثت کے حاصل کرتا ہے۔ پس وہ حضرات خیال فرما سکتے ہیں کہ عورتوں کی جسمانی صحت اور تندرستی سے عورتوں اور مردوں اور سوسائٹی اور قوم کو کسقدر فوائد پہونچ سکتے ہیں۔

عقلی تربیت اسلئے لازمی ہے کہ بغیر اُس کے عورت کی کچھ بھی قدر و قیمت نہیں ہوسکتی جیسا کہ بالعموم ہماری قوم کی عورتوں کی حالت دیکھی جاتی ہے۔ بیشک وہ جنتی ہیں اور نوع انسان کو فنا ہونے سے محفوظ رکھتی ہیں۔ لیکن اس صورت میں وہ صرف عورت کا ایک ایسا فرض ادا کرتی ہیں جس میں تمام انواع حیوانات کی مادائیں اُن کی شریک ہیں۔ غرضکہ وہ بلحاظ اپنے اس عمل کے جننے والی کتیوں اور بلیوں اور گایوں اور بھینسوں سے کچھ زیادہ ممتاز اور قابل وقعت نہیں ہوسکتیں۔

درحقیقت ہمنے عورت کے فرائض کے وسیع دائرہ کو نہایت ہی تنگ اور محدود کردیا ہے اور اُس کو صرف بچے جننے کے لئے مخصوص کردیا ہے۔ اسکے سوا کوئی کام اُس سے نہیں لیا جاتا۔ اِسکی وجہ یہہ ہے کہ ہم کو یہہ غلط خیال پیدا ہوگیا ہے کہ عورت میں دوسرے کاموں کی صلاحیت نہیں اور یہہ کہ مردوں کو اپنی زندگی کے پبلک اور پرائیوٹ کاروبار میں عورتوں کی مدد کی ضرورت نہیں۔ اور یہہ دقیق راز ہماری نظروں سے مخفی رہا ہے کہ مرد جوان ہو کر ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے کہ بچپن میں اُنکی مائیں ان کو تیار کرتی ہیں۔

پس یہہ کامل ارتباط جو ہر ایک مرد کو اپنی ماں کے ساتھ ہوتا ہے نہایت ہی اہم اور قابل غور ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگ اِس کو اچھی طرح سمجھ جائیں اور اُن تمام مباحث

کا جو میں نے اِس کتاب میں درج کی ہیں صرف یہی نتیجہ ہے۔

میں مکرر لکھتا ہوں کہ ہماری قوم میں کامیاب جوان مردوں کا پیدا ہونا ناممکن ہے تاوقتیکہ اُنکی مائیں اُن کو جوانمرد اور کامیاب بنانے کی قدرت اور صلاحیت نہ رکھتی ہوں۔ یہی وہ عظیم الشان فرض ہے جو موجودہ زمانے کے تمدن نے عورتوں کے ذمہ ڈالا ہے اور وہ تمام مہذب اور شائستہ ممالک میں اس گرانبار فرض کو نہایت خوبی اور قابلیت کے ساتھ ادا کررہی ہیں جہانتک وہ اول بچے جنتی ہیں اور پھر اُن کو جوانمرد بناتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ پہلا کام یعنی بچوں کا جننا بالکل بسیط اور سیدھا سادہ کام ہے جس میں تمام حیوانات کی مادائیں اُن کی شریک ہیں۔ اس کام کے لئے سوائے جسمانی صحت اور تندرستی کے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ مگر دوسرا کام یعنی بچوں کو تربیت کرنا اور اُن کو جوانمرد بنانا یہہ کام محض عقلی ہے جو صرف نوع انسان کے لئے مخصوص ہے اور جس کے انجام دہی کے واسطے ایک وسیع تجربہ اور مستحکم تربیت اور مختلف علوم وفنون کی ضرورت ہے۔

نہایت مہتم بالشان امر جسکی طرف ان تمام قوموں کو جو اپنی مصلحتوں سے دم بھر بھی غافل نہیں ہوتیں کامل توجہ اور پورا التفات کرنا چاہیئے وہ خاندانوں اور گھرانوں کا نظام ہے جن سے قوم کا جسم مرکب ہوتا ہے، کیونکہ قوم کی بنیاد خاندان پر ہوتی ہے۔ اور چونکہ عورت خاندان کی بنیاد ہے اسلئے مرتبہ عقل کے لحاظ سے اُس کی ترقی اور تنزل قوم کی ترقی اور تنزل میں زیادہ مؤثر ہوگا۔

عورت درحقیقت خاندان کی میزان ہے جس سے اُس خاندان کی ترقی اور تنزل کی حالت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ پس اگر وہ پستی اور انحطاط کی حالت میں ہوگی تو اُس کا شوہر اور اُس کی تمام اولاد اور خاندان کے تمام ممبر اُس کو حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھیں گے

اور وہ سب کے سب خودسری اور خودرائی کی حالت میں زندگی بسر کرینگے ان کے درمیان میں کوئی چیز ربط دینے والی اور اُن سب کو ایک سلسلہ میں مسلسل کرنے والی نہ ہوگی اور نہ اُس خاندان میں کوئی انتظام اور تربیت ہوگی - ان وجوہ سے اُن کے اخلاق و عادات فاسد ہوجاوینگے - لیکن اگر عورت ذی عقل اور شایستہ ہوگی تو تمام خاندان کے ممبروں کے دلوں میں اُسکی محبت اور عزت ہوگی - وہ خود بھی اپنی عزت کریگی اور سب کے سب اُسکی محبت کے زیر سایہ باہمی اتفاق و اتحاد کے ساتھ زندگی بسر کرینگے - اور یہی صفات جو خاندان میں دیکھی جاتی ہیں عام طور پر تمام قوم میں دیکھی جائینگی کیونکہ قوم کا ہر ایک ممبر دوسروں کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریگا جیسا کہ اُس کا برتاؤ اپنے خاندان میں ہوگا - یہہ ناممکن ہے کہ انسان اپنی قوم میں ایسی صفات اور اخلاق کا اظہار کرے جس کا نمونہ اُسکے خاندان میں موجود نہ ہو اور یہہ کہ جن اخلاق سے وہ اپنے خاندان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے اُنکے خلاف اپنے ہم وطنوں کے ساتھ معاملہ کرے - پس اگر وہ اپنے خاندان کے ساتھ خوش اخلاق ہوگا تو قوم کے ساتھ بھی خوش اخلاق ہوگا اور اگر وہ اپنے خاندان کے ساتھ بد اخلاق ہوگا تو قوم کے ساتھ بھی ویسا ہی ہوگا - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوموں کی ترقی اور تنزل میں عورتوں کو کسقدر دخل ہے -

غرضکہ قوموں کی ترقی مختلف اسباب پر منحصر ہے جن میں سب سے زیادہ اہم عورت کی ترقی ہے - اسیطرح قوموں کا تنزل اور انحطاط مختلف اسباب پر موقوف ہے جن میں سب سے اہم عورت کا انحطاط ہے -

پس یہہ تنزل اور انحطاط جو ہماری قوم میں عورتوں پر طاری ہے ہماری ترقی اور فلاح و بہبودی میں سب سے بڑا مانع ہے ، اور اِس لحاظ سے عورتوں کی تربیت ہماری قوم

کے لئے نہایت ضروری اور لازمی اور لابدی ہے۔ اکثر حضرات لڑکوں کی تربیت کے فوائد بیان کرنے میں بڑی فصاحت و بلاغت خرچ کرتے ہیں اور لڑکیوں کی تربیت سے اُس کو مقدم سمجھتے ہیں حالانکہ اُن کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ لڑکیوں کی تربیت کا مرتبہ سب سے مقدم ہے اور وہ سب سے زیادہ ضروری ہے اور وہ ایک ایسا مہتم بالشان فرض ہے کہ اگر ہم اُس کو انجام دینگے تو قومی اصلاح کے متعلق تمام کام ہمارے لئے آسان ہو جائیں گے اور اگر ہم اُس کو چھوڑ دینگے تو ہماری تمام اصلاحیں فاسد ہو جائینگی۔

جدید تربیت جو تقریباً ایک صدی سے یورپ کی عورتوں کو دی جا رہی ہے اُس نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت ایسی بسیط اور سرسری چیز نہیں ہے جیسا کہ اسلاف نے خیال کیا تھا اور صرف تناسل اور بچہ کشی کے لئے اُس کو وقف کر رکھا تھا۔ جب قوت اور غلامی کے رخصت ہونے کے بعد عقل اور آزادی کا زمانہ آیا تو دنیا کو معلوم ہو گیا کہ عورت میں ایسے مخفی اسرار ہیں جنکا انکشاف قدیم جاہلیت کے زمانہ میں نہیں ہوا تھا، اور وہ اُن تمام عظیم الشان کاموں کے انجام دینے کی استعداد اور صلاحیت رکھتی ہے جن کو مرد انجام دے سکتے ہیں، اور یہ کہ اُس کا موجودہ انحطاط طبعی نہیں تھا بلکہ محض ایک عارضی امر تھا۔ پس جبکہ وہ اپنی خواب غفلت سے بیدار ہوئی اور اُس کی عقل میں روشنی اور اخلاقی ملکات میں پختگی پیدا ہوئی اور اُس کا نفس علم اور فکر کے ساتھ آراستہ اور اُس کی قوتیں مختلف کاروبار انجام دینے کی عادی اور خوگر ہو گئیں تو عقل کی متانت اور شعور و احساس کی نزاکت کے لحاظ سے اُس اعلیٰ درجہ پر پہونچ گئی جو گذشتہ زمانہ کے لوگوں کے خواب و خیال میں نہیں آیا تھا۔ اور اب اُس کو جسقدر آزادی ملتی جاتی ہے اُسی قدر وہ اعلیٰ مدارج پر ترقی کرتی جاتی ہے۔

جو لوگ مغربی عورتوں کے کاموں سے جن کو وہ انجام دے رہی ہیں واقف ہیں وہ بلا شک وشبہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ایسے عظیم الشان کام انجام دے رہی ہیں جن کے بغیر مغربی تمدن کا قیام ناممکن ہے۔ علوم، فنون، تجارت اور صنعت و حرفت کی تمام شاخوں میں کوئی شاخ ایسی نہیں پائی جاتی جس میں عورتیں مردوں کے پہلو بہ پہلو کام نہ کرتی ہوں۔ رفاہ عام کے کاموں میں کوئی کام ایسا نہیں دیکھا جاتا جس میں عورتوں نے سب سے پہلے کوشش نہ کی ہو۔ کوئی پولٹیکل حادثہ ایسا نہیں سنا جاتا جس میں کسی عورت نے نمایاں حصہ نہ لیا ہو۔ دونوں جنسوں میں صرف یہی فرق ہے کہ عورتوں کو اب تک پولٹیکل حقوق حاصل نہیں ہوئے پس جبکہ انکو پولٹیکل حقوق حاصل ہو جائینگے جیسا کہ ممالک یورپ میں امید کی جاتی ہے تو دونوں میں پوری پوری مساوات ہو جاویگی۔ مگر اسوقت تک بھی ان کو بہت سے پولٹیکل حقوق حاصل ہو چکے ہیں۔ امریکہ اور انگلستان میں ان کو لوکل بورڈ میں ممبر منتخب ہونے کا حق حاصل ہے۔ اور فرانس میں وہ تجارتی محکموں کی ممبر مقرر کی جاتی ہیں، اور اضلاع متحدہ امریکہ کے بعض ممالک میں عورتیں پارلیمنٹ میں اجلاس کرتی ہیں۔ یورپ کا کوئی مشہور شہر اور صدر مقام ایسا نہیں ہے جہاں عورتوں کی کوئی انجمن نہ ہو اور اپنے حقوق کے طلب کرنے اور اُن کے حاصل کرنے کی کوشش نہ ہو رہی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اُن کو ہر سال ایک جدید کامیابی ہوتی ہے اور اُنکے کاموں کا نمایاں اثر صفحاتِ تاریخ پر لکھا جاتا ہے۔

جو لوگ موجودہ ترقی کی رفتار سے واقف ہیں جس میں اس کمزور اور نازک مخلوق نے ایک عجیب و غریب قوت کا اظہار کیا ہے اِن کو معلوم ہے کہ عورتیں عنقریب اپنے تمام مطالب کے حاصل کرنے میں کامیاب ہونگی اور تمام حقوق کے لحاظ سے مردوں کی برابر

ہوجائینگی۔ اور اُسکے بعد خدا ہی جانتا ہے کہ کیا ہوگا، آیا عورتیں ترقی اور کامیابی کے میدان میں مردوں سے آگے بڑھ جائینگی یا نہیں۔

ظاہر ہے کہ وہ قوتیں جو عورتیں تجارت اور صنعت اور علوم و فنون میں صرف کرتی ہیں ان میں ہر ایک قوت کا اثر قومی حالات پر نظر کرنے والوں کو اچھی طرح محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن ان تمام قوتوں کا اثر مجموعی طور پر پوری طرح ظاہر ہوتا ہے جو ایک عظیم الشان راس المال ہے جس کی طرف توجہ کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں ہم کوتاہی کرتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ ہمارے ممالک کا عورتوں کے رفاہ عام و بہبود انام کے کاروبار سے محروم ہونا نہایت ہی قابل افسوس امر ہے۔ کیونکہ امور خیر کیطرف عورت کا میلان فطری ہے اور وہ فقیروں اور مریضوں کی خدمت گذاری نہایت صبر اور استقلال کے ساتھ کرسکتی ہے جو بڑے بڑے جوانمردوں سے بھی نہیں ہوسکتا۔ یہہ تمام صفات بالعموم عورتوں میں پائی جاتی ہیں۔ مگر جاہل عورتوں کا خیال ان کو امور خیر اور رفاہ عام کے کاموں کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا اور وہ مہربانی اور رحم اور شفقت کے خزانوں کو جو ان کے دلوں میں مدفون ہیں نہایت حقیر اور چھوٹے چھوٹے کاموں میں صرف کرتی ہیں۔

آج کل ترقی یافتہ قوموں میں عورتیں جو عظیم الشان کام انجام دے رہی ہیں اُنکی طرف ہم اشارہ کرچکے ہیں۔ صدر اسلام میں بھی بہت سی ایسی عورتیں پائی جاتی ہیں جن کو مسلمانوں کی عام مصلحتوں اور پبلک کاموں میں بہت کچھہ دخل تھا۔ تمام مسلمان جانتے ہیں کہ مختلف مسائل کے متعلق بے شمار حدیثیں حضرت عائشہ صدیقہ اور ام سلمہ وغیرہ ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کی بی بیوں سے روایت کی گئی ہیں۔ اور بہت عورتیں علمی خدمات اور جودت شعر کے لحاظ سے مشہور اور نامور ہوئی ہیں۔ - - - - - - - - - -

ام عطیہ سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ "میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائیوں میں سات مرتبہ شریک ہوئی ہوں۔ میں لشکر کے قیام گاہ میں رہتی تھی اُن کے لئے کھانا پکاتی، مجروحوں کی دوا دارو کرتی اور مریضوں کی خدمت کرتی تھی"۔

جو لوگ ان سطور کو پڑھیں گے غالباً اُن کو یہ خیال پیدا ہوگا کہ وہ ان یورپین عورتوں میں سے کسی عورت کو دیکھ رہے ہیں جنہوں نے مجروحین جنگ کی دوا دارو کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔

جن باتوں میں ہماری شریعت نے مردوں کو عورتوں پر ترجیح دی ہے مثلاً خلافت، امامت اور شہادت ان میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو عورت کی پرائیویٹ لائف اور آزادی سے تعلق رکھتی ہو۔ ان قلیل مسائل میں جن میں مردوں کو امتیاز دیا گیا ہے شارع کی صرف یہ مصلحت ہے کہ عورت اپنے خانگی فرائض کی حد سے آگے نہ بڑھے اور عام کاروبار صرف مردوں کے ساتھ مخصوص رہیں۔ اور یہ ایک طبعی تقسیم ہے جس کے مطابق یوروپین تمدن اس وقت تک عملدرآمد کر رہا ہے۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو عورت کے ترقی کرنے اور اپنے استحقاق کے اعلیٰ مرتبہ تک پہونچنے سے مانع ہو۔ جو عظیم الشان حقوق اسلامی شریعت نے عورتوں کو عطا کئے ہیں اُن کی اصلی غرض معلوم کر لینے کے بعد کوئی عقلمند شخص ہمارے اُس رسم و رواج کو پسندیدگی اور استحسان کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا جس نے عورتوں کو ان حقوق کے استعمال سے محروم کر رکھا ہے۔

ہمارے ناظرین جنہوں نے اُن کلیہ قواعد کے سلسلہ کو غور اور خوض کے ساتھ ترتیب وار مطالعہ کیا ہے جو ہم نے نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کئے ہیں اُنہوں نے خیال کیا ہوگا کہ اُن کا خلاصہ صرف ایک مختصر سی عبارت میں بیان کیا جا سکتا ہے

اور وہ یہ ہے کسی قوم کی حالت سدھرنے کیلیے عورت کیحالت کا سدھرنا نہایت ضروری اور لابدی ہے۔ اور جبکہ کوئی دیکھنے والا اپنی فکر کی باگ ڈھیلی کردے تاکہ وہ اس وسیع موضوع اور اُس کے متعلق مسائل پر محیط ہوجاوے تو اُسکی حقیقت ظاہر ہوجاویگی اور اپنے تمام مخفی اسرار کو ظاہر کردیگی اور وہ ایک ایسی صورت دیکھے گا جو اُس خیال کے مشابہ نہیں ہے جس کو وہ جسم سمجھتا تھا۔

خانہ داری

عورتوں کے حال کی اصلاح کرنے کے لئے صرف تربیت ھی کافی نہیں ہے، بلکہ اسکے واسطے نظام خاندان کی تکمیل بھی منجملہ ضروریات کے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عورت کے خیالات کا بلند ہوجانا، اُسکی عقلی قوتوں کا ترقی کرجانا نظام خاندان کی تکمیل میں مدد دیتا ہے لیکن خود اس نظام کو باوجود اسکے قومی رسم ورواج اور شرعی احکام کے ساتھ مربوط ہونے کے عورت کی ترقی اور اُسکے تنزل میں بہت بڑا دخل ہے۔ لہذا میں نے اُن ضروری اور اھم مسائل کی طرف ناظرین کو توجہ دلانا ضروری سمجھا جو خانہ داری کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں یعنی نکاح، تعدد زوجات، اور طلاق۔ ان مسائل پر اختصار کے ساتھ اسی ترتیب سے میں بحث کرونگا۔

نکاح

میں نے فقہا کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ وہ نکاح کی تعریف اسطرح کرتے ہیں کہ "وہ ایک عقد ہے جسکے ذریعہ سے مرد عورت کی شرمگاہ کا مالک ہوجاتا ہے" اس تعریف میں جو فقہا نے کی ہے ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہو کہ شوھر اور زوجہ کے درمیان سوائے نفسانی خواھشات اور شہوانی جذبات

کے پورا کرنے کے کوئی اور بھی تعلق ہے۔ اس تعریف کے تمام الفاظ اُن اخلاقی فرائض کی طرف اشارہ کرنے سے قاصر ہیں جو دو مہذب اور شایستہ شخصوں کو ایک دوسرے سے مطلوب ہوتے ہیں۔ میں نے قرآن مجید میں ایک آیت دیکھی ہے جو نکاح پر پوری طرح منطبق ہو سکتی اور اُس کی اصلی اور واقعی تعریف ہو سکتی ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ومن آیاتہٖ ان خلق لکم" اُس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہہ بھی ہے کہ

من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ"	اُس نے تمہارے لیئے تمہاری ہی جنس کی بی بیاں پیدا کیں تاکہ تمہیں اُن سے راحت ملے اور تمہارے درمیان پیار اور اخلاص پیدا کیا"، جو لوگ پہلی تعریف کو جو فقہا نے

تصنیف فرمائی ہے دوسری تعریف کے ساتھ جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے مقابلہ کرینگے ان کو خود بخود معلوم ہو جائیگا کہ ہمارے فقہا کی راے میں عورت کا تنزل اور انحطاط کس درجہ تک پہونچ گیا ہے اور اُنھیں کے ذریعہ سے یہہ خیال عام مسلمانوں میں سرایت کر گیا ہے۔ اور اس قبیح اصول پر اُنہوں نے جس قدر فروعی احکام مرتب کیے ہیں اُن کی نسبت زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

پس یہہ خوشنما نظام جس کو خداوند تعالیٰ نے زوجین کے درمیان باہمی پیار اور اخلاص کا ذریعہ ٹھیرایا ہے ہمارے علماے کرام کی بدولت اُسکا یہہ حشر ہو گیا ہے کہ وہ مرد کے لیئے صرف نفسانی خواہشات کے پورا کرنیکا ایک ذریعہ گنا جاتا ہے۔ جو باتیں رشتۂ زوجیت کو تقویت دینے والی اور باہمی پیار و اخلاص کو بڑہانے والی ہیں ان کو بالکل ترک کر دیا جاتا ہے اور جو باتیں آپس کی محبت اور باہمی پیار و اخلاص میں خلل انداز ہیں اُنکی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کی جاتی ہے۔

باہمی محبت و اخلاص کے قایم رہنے کا ایک یہہ بھی ذریعہ ہے کہ جب تک طرفین کو ایک دوسرے کی طرف حقیقی اور اصلی میلان محقق طور پر معلوم نہ ہو جاے تو اُسوقت تک وہ نکاح کا ارادہ نہ کریں۔ لیکن چونکہ ہم نکاح کے حقیقی اور شرعی معنی سے غافل ہو گئے ہیں اسلیئے اُسکو ایک نہایت معمولی اور سرسری بات خیال کرنے لگے ہیں اور اُس کے فرائض کے ادا کرنے میں سستی اور کوتاہی کرتے ہیں۔ اور اُسی کا ایک نتیجہ یہی ہے کہ بغیر اس بات کے کہ طرفین کو ایک دوسرے کے دیکھنے کا موقع ملے نکاح ہو جاتا ہے۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مخطوبہ کو دیکھ لینا چاروں مذہبوں میں بالاتفاق مباح قرار دیا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ذکر کر چکے ہیں جس میں آپ نے ایک انصاری کو اُسکی مخطوبہ کے دیکھ لینے کا حکم دیا تھا۔ پس کیا وجہ ہے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر باوجود مفید اور اہم ہونے کے عمل کرنا ترک کر دیا ہے اور دوسری حدیثوں پر عمل کرتے ہیں باوجودیکہ وہ اہمیت میں اُس سے کم ہیں؟ اس کی وجہ یہہ ہے کہ جاہل آدمی کی یہی عادت ہوتی ہے کہ وہ مضر باتوں کی طرف رغبت کرتا اور مفید باتوں سے نفرت کرتا ہے۔

وہ مرد اور عورت جن کو خدا نے عقل سلیم عطا کی ہے ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہونے کے بغیر کس طرح ممکن ہے کہ ایک ایسی زنجیر میں اپنے آپ کو جکڑ لیں جس میں ان کو مدت العمر رہنا ہوگا۔ معمولی عقل کا آدمی بھی جب ایک مٹی کا پیالہ خریدنا چاہتا ہے تو اُسکو خوب اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھ لیتا ہے تب کہیں چھدام کی کوڑیاں گرہ سے کھولنا گوارا کرتا ہے۔ مگر عقلمند اور ہوشیار لوگ نکاح کے معاملہ میں ایسی عجلت اور سبک سری کام میں لاتے ہیں جسکو دیکھ کر عقل کو نہایت حیرانی اور پریشانی پیش

آتی ہے۔

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ مرد کو اپنی ماں یا بہن کے ذریعہ سے اُس کی مخطوبہ یا منسوبہ کے حالات اور اوصاف معلوم ہوجاتے ہیں۔ مثلاً اُسکے بالوں کی سیاہی، رخساروں کی لطافت، اُسکے ہونٹوں کی نزاکت اور اُسکی عقل کی متانت وغیرہ وغیرہ اوصاف پر اُس کو اطلاع ہوجاتی ہے۔ غرضکہ مجمل طور پر اُس کے ظاہری حسن وجمال اور اخلاق وعادات کا علم حاصل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح لڑکی کو بھی بارہا جھروکے میں سے دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ میں اِسکے جواب میں یہہ کہتا ہوں کہ بیشک کبھی ایسا ہوتا ہے لیکن یہہ متفرق اوصاف ہیں جنسے کوئی خاص صورت ذہن نشین نہیں ہوسکتی اور نہ یہہ ممکن ہے کہ ان اوصاف کے سننے سے اُس کی طرف میلان اور رغبت پیدا ہو اور نہ اس امر کا اطمینان ہوسکتا ہے کہ اُس کی صحبت موجب تسکین اور باعث آرام وراحت ہوگی۔ دوراندیش شخص کے لئے یہہ بات لازمی ہے کہ وہ اپنی مخطوبہ یا منسوبہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اُس کے طرز خیال اور طرز کلام پر مطلع ہو اُس کے تمام اوصاف اور اخلاق وعادات سے ذاتی واقفیت حاصل کرے ورنہ کس طرح معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ اوصاف اور عادات اُس کے مذاق کے موافق اور اُس کی رغبتوں کے مطابق ہیں؟

اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی اجنبی آدمی کو پہلے پہل دیکھتا ہے تو نظر پڑنے کے ساتھ ہی اُس کی طبیعت سخت نفرت کرتی ہے اور اِس کا کچھ بھی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ اور بسا اوقات دور سے ایک شخص قبیح اور بدہیئت اور قابل نفرت معلوم ہوتا ہے لیکن جب وہ قریب آتا اور باتیں کرتا ہے، یہہ خیال بالکل معکوس ہوجاتا ہے۔ اور بعض اوقات جب ابتداءً کسی شخص کے چہرہ پر نظر پڑتی ہے تو حسن وجمال کی چمک دمک

معلوم ہوتی ہے لیکن جب وہ قریب آتا اور باتیں کرتا ہے تو یہ احساس بالکل بدل جاتا ہے۔ خصوصاً اس مادی احساس کو خواہ وہ رغبت ہو یا نفرت خوبصورتی اور بدصورتی سے کچھ بھی تعلق نہیں معلوم ہوتا اور نہ یہ احساس تمام اشخاص میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ شخص واحد کا منظر بعض شخصوں کے لئے موجب رغبت اور بعض کے لئے باعث نفرت ہوتا ہے۔

پس شوہر اور زوجہ کے درمیان اس جذب حسی کا موجود ہونا نہایت ضروری ہے اور اگر اُن مردوں اور عورتوں کے درمیان جو باہم نکاح کرنا چاہتے ہیں اُس کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے تو پھر کس چیز میں اُسکی ضرورت ہو سکتی ہے۔

علاوہ ازیں نکاح کے لئے زوجہ اور شوہر میں صرف اس مادی کشش کا موجود ہونا کافی نہیں ہے بلکہ ضرور ہے کہ طرفین کے نفوس میں توافق پایا جائے یعنی اُنکی عقل اور اخلاق اور ملکات کے درمیان (اتحاد نہیں کیونکہ وہ ناممکن ہے) ائتلاف پایا جائے۔ اور اس ائتلاف یا توافق کا ہونا یا نہ ہونا صرف اُسی صورت میں معلوم ہو سکتا ہے جبکہ ان دونوں کو باہم ملنے جلنے کا اتفاق ہو اگرچہ کم ہو۔

اس سے کوئی شخص کبھی انکار نہیں کر سکتا کہ جس نکاح کی بنیاد اس توافق پر ہوگی اُسکی زوجہ اور شوہر دونوں کی نظروں میں عزت اور وقعت ہوگی وہ ایک ایسا مضبوط اور مستحکم تعلق ہوگا جو آسانی کے ساتھ نہیں ٹوٹ سکتا اور موجب عصمت و عفت ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ جس نکاح کی بنیاد اس توافق پر نہ ہو وہ ایک سراسر خسارہ کا معاملہ ہوگا جس میں زوجہ اور شوہر کو کوئی بہبودی اور بہتری نصیب نہیں ہو سکتی اگرچہ اُس نکاح کی مدت کیسی ہی طویل اور مرد و عورت کی اخلاقی صفات کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی ہوں۔ اسی وجہ سے اعمش

کھتا ہے کہ "جو نکاح بے دیکھے کیا جائیگا اُسکا انجام دائمی رنج و غم ہوگا"
چونکہ آج کل نکاح کے معاملہ میں ان ضروری شرائط کی رعایت نہیں کی جاتی اس لئے وہ زوجہ اور شوھر کے درمیان ایک نہایت بودا اور کمزور تعلق ہوتا ہے جو ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں شکست ہو جاتا ہے۔ اِسکی وجہ سوائے اِسکے اور کچھ نہیں کہ زوجہ و شوھر میں سے ہر شخص اُس قید سے آزاد ہونا چاہتا ہے جس کی حفاظت کی اُسکو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی اور جسکی اُسکی نظروں میں کچھ بھی قدر و قیمت نہیں ہے۔

ذوق سلیم اس بات کو واجبی اور قرین انصاف خیال کرتا ہے کہ عورت کو بھی شوھر کے انتخاب کا وھی حق حاصل ہونا چاہیئے جو مرد کو زوجہ کے انتخاب کرنے کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ یہہ معاملہ بہ نسبت اُنکے قرابت داروں کے زوجہ و شوھر کے لئے زیادہ تر اھم ہے۔ پس عورت کو اُسکے نکاح کے معاملات میں غور و فکر کرنے سے محروم کر دینا اور بغیر اُسکی راے دریافت کرنے کے نکاح کے تمام معاملات کو فیصل کر دینا کسی حالت میں درست نہیں۔

ھمارے ھاں یہہ عام دستور ہے لڑکی سے اُس شخص کے تمام حالات مخفی رکھے جاتے ہیں جسکے ساتھ اُس کی نسبت ہوتی ہے، پس اُسکے ذاتی اوصاف اور اخلاق و عادات کی اُسکو بالکل خبر نہیں ہوتی، نہ اُس سے پوچھا جاتا ہے کہ آیا وہ اُسکے ساتھ نکاح ہونا پسند کرتی ہے یا نہیں، نہ اُس کی رغبت اور میلان دریافت کیا جاتا ہے۔ اور زیادہ تر مصیبت یہہ ہے کہ اُس کو اسقدر جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو اپنے والدین یا سرپرستوں کے سامنے بیان کر سکے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ کنواری لڑکیوں کو مناسب نہیں کہ وہ اپنے نکاح کے معاملہ میں دخل دیں۔

غرضکہ رشتہ داروں اور غیر رشتہ داروں سے اُسکے نکاح کے بارے میں رائے لی جاتی ہے
مگر نہیں لی جاتی تو اُس سے جسکی آیندہ قسمت کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اور اس بات کو اعلیٰ درجہ
کی حیا سمجھا جاتا ہے حالانکہ اُن کا یہہ خیال سراسر غلط ہے۔

ہماری شریعت نے جو بالکل عدل و انصاف پر مبنی ہے نکاح کے متعلق عورتون
کو جو حقوق عطا کئے ہیں وہ کسی حالت میں مردوں کے حقوق سے کم نہیں ہیں۔ مردون
کی طرح عورتوں کو بھی اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ شوہر کے انتخاب میں حتی الوسع
بذات خود غور کر کے اپنی رائے قایم کریں۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی شریعت کی ہدایتون
کی پیروی اور قرآن مجید اور سنت نبوی کے احکام کی تعمیل کریں تاکہ نکاح طرفین کے لئے
ذریعہ سعادت اور موجب فلاح و بہبودی ہو۔

قرآن مجید میں وارد ہوا ہے "ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف"
ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی بنا پر فرمایا کرتے تھے کہ جسطرح میں اس بات کو
پسند کرتا ہوں کہ اپنی بی بی بناؤ سنگار میں دیکھوں اسی طرح میں اس بات کو بھی پسند
کرتا ہوں کہ وہ بھی مجھکو ایسی ہی حالت میں دیکھے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "وعاشروهن
بالمعروف" یعنی "تم اپنی بی بیوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو سہو" اور نیز اُنکے حقوق
کی عظمت اور اہمیت ظاہر کرنے کے لئے فرماتا ہے "واخذن منکم میثاقا غلیظا"
یعنی "وہ تم سے پکا قول لے چکی ہیں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "وہ کامل ترین
ایمان والے وہی مسلمان ہیں جو سب سے زیادہ پاکیزہ اخلاق رکھنے اور اپنی بیبیوں
سے مہربانی اور شفقت کے ساتھ معاملہ کرنے والے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

عورتوں کے ساتھ نہایت محبت اور شفقت کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے "دو دنیا کی تین چیزیں مجھکو محبوب ہیں۔ عورتیں اور خوشبو مگر میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔"
آپ عورتوں کی نہایت عزت اور وقعت فرماتے تھے جو آپ کے کریمانہ اخلاق اور پاکیزہ شمائل کی دنیا کے سامنے ایک زبردست دلیل ہے۔ حتی کہ بعض اوقات آپ حضرت ام المؤمنین کو سوار کرنے کے لئے زمین پر اپنا گھٹنا ٹیک دیتے تھے تاکہ وہ اُس پر پاؤں رکھکر سوار ہو جائیں اور بعض اوقات اُنکے ساتھ مزاح اور خوش طبعی بھی فرماتے تھے۔ آپ عورتوں کے حال پر بالعموم نہایت شفیق اور مہربان تھے اور ہمیشہ مردوں کو اُنکے ساتھ بھلائی اور نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ اس موضوع میں جس قدر حدیثیں مروی ہیں منجملہ اُنکے ایک حدیث یہہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "تم میں اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی بی بیوں کے حق میں اچھے ہوں۔ اس بارہ میں بے شمار حدیثیں مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام عورتوں کا اعتبار اور احترام کرنے اور اُنکے ساتھ فیاضی اور احسان کے ساتھ معاملہ کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

مگر جب تک ہماری قوم کی عورتیں جہالت کے لحاظ سے اپنی موجودہ حالت پر قایم رہیں گی اُسوقت تک نہ اُنکی عزت و وقعت اور قدر و قیمت میں ترقی ہوسکیگی اور نہ اُنکی غلامی کی حالت میں کسی قسم کی تخفیف ہوگی۔

مگر جب عورتیں تعلیم و تربیت پاکر اپنے حقوق اور اپنی قدر و قیمت سے واقف ہونگی تو نکاح بھی مرد اور عورت دونوں کے لئے سعادت و فلاح کا حقیقی ذریعہ بن جائیگا اور زوجیت کی بنیاد اُن دو شخصوں کی باہمی کشش پر ہوگی جو ایک دوسرے کے ساتھ جسم سے اور قلب سے اور عقل سے پوری محبت کرتا ہے۔ اس وقت عورت اپنی عقل

کے زیر حکومت زندگی بسر کریگی۔ اور مردوں میں سے صرف اُس شخص کو منتخب کریگی جس کی طرف اُس کو
دلی رغبت ہوگی اُس کے والدین اور سرپرست بھی اُس کے کمال عقل اور حسن اختیار پر بھروسہ
کر کے اُسکی رائے کے ساتھ اتفاق کرینگے۔ نہ اُسکو اُنکے ناراض ہونے کا خوف ہوگا اور
نہ عام لوگون کی نکتہ چینیوں کا خطرہ ہوگا پس اس وقت مردوں کو عورتوں کی قدر و قیمت معلوم
ہوگی اور حقیقی محبت کا ذائقہ چکھنا اُنکو نصیب ہوگا۔

ان دونوں زوجہ و شوہر کو دیکھو جن میں باہمی دلی محبت ہے تم کو معلوم ہوگا
کہ وہ بہشت کی نعمتوں اور خوشیوں میں عیش کر رہے ہیں۔ ان کو اس بات کی مطلق
پروا نہ ہوگی کہ اُنکا صندوق روپیہ سے خالی ہے یا اُن کے دسترخوان پر دال اور پیاز کے
سوا دنیا کی بیش قیمت اور لذیذ نعمتیں موجود نہیں ہیں۔ ان کے دلوں کو ہر منٹ پر ایک
تازہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ یہی وہ خوشی ہے جو دل میں اطمینان اور جسم میں نشاط اور
اُمنگ کی روح کو ہیجان میں لاتی ہے اور دل میں زندگی کی لذت کے شعور کو اُکساتی
اور اُسکے بوجھ کو ہلکا کرتی ہے۔ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ
"ایمان کے بعد نیک بخت عورت سے زیادہ کوئی نعمت نہیں"

اِسکے مقابلہ میں ہماری قوم کے خاندانوں کی حالت پر غور کرو تو زمین آسمان کا فرق
معلوم ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ زوجہ و شوہر میں بُعد المشرقین ہے۔ اگر صرف یہی بعد ہوتا
تو اُسکی مصیبت کا برداشت کرنا کسی قدر آسان ہوتا مگر چونکہ یہہ انسان کی ایک طبعی بات
ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی بہبودی اور بہتری کے درپے رہتا ہے اس لئے زوجہ و شوہر میں
سے ہر شخص اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ اُسکی فلاح و بہبودی میں جو چیز حائل اور سنگ
راہ ہے وہ اُسکا رفیق ہے اور اس اعتقاد سے گھر میں طرح طرح کی باہمی رنجشیں اور کدورتیں

پیدا ہوتی ہیں اور ہر شخص کا دل دوسرے عیوب اور شکوہ وشکایت سے لبریز رہتا ہے اور صبح سے شام تک میاں بی بی میں جھگڑے اور منا قشے برپا رہتے ہیں۔

اس ناگوار حالت کا انجام یا تو یہہ ہوتا ہے کہ عورت گھر کے تمام کاروبار خدمتگاروں اور ماماؤں پر ڈال کر الگ ہو جاتی ہے کہ وُہ جس طرح چاہیں کریں اور اِس وجہ سے گھر کا تمام انتظام مختل اور درھم برھم ہو جاتا ہے اُس میں خرابی اور بُرائی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ تمام فرش وفروش گرد آلود دسترخوان میلے اور گندے نظر آتے ہیں۔ عورت نہ شوھر کی خبرگیری کرتی ہے اور نہ بچوں کی اور ھر وقت تنہائی میں بیٹھی ہوئی اپنی بدبختی اور بدنصیبی کو روتی رھتی ہے۔ یا یہ کہ وہ سویرے ھی گھر چھوڑ نکل کھڑی ہوتی ہے اور پڑوس کی عورتوں کو اپنا دکھہ درد سناتی پھرتی ہے۔

مرد کا حال بھی کچھہ اُس سے بہتر نہیں ہوتا۔ وہ بھی گھر چھوڑ کر قہوہ خانوں یا اپنے دوستوں کے پاس آرام کرتا ہے اور جب گھر میں آتا ہے تو بی بی سے الگ تھلگ چپ چاپ بیٹھہ جاتا ہے۔

ھمارے گذشتہ بیان کا نتیجہ یہہ ہے کہ بغیر دیکھے نکاح کرنا جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے ایک ایسا طریقہ ہے جس کو مرد غالبًا اُن عورتوں سے شہوانی جذبات کے پورا کرنے کی غرض سے استعمال کرتے ہیں جو اُن کے عقد نکاح میں دفعتًا یا یکے بعد دیگرے داخل ہوتی ہیں۔ اور جب تک یہہ طریقہ جاری ہے اُس وقت تک عورت کی ہرگز عزت اور وقعت نہیں ہو سکتی۔

مگر جن لوگوں کا نکاح سے یہہ مقصد ہوتا ہے کہ ان کو ایک مونس اور غمگسار رفیق زندگی میسر آجاے جو رنج وراحت میں اُنکا شریک ہو اُن کو اکثر اوقات اپنے مقصد میں کامیابی نہایت مشکل بلکہ بعض اوقات ناممکن ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ھم گذشتہ چند سال سے دیکھہ

رہتے ہیں کہ اکثر نوجوان جو نکاح کی بخوبی مقدرت رکھتے ہیں اسکی طرف بالکل رغبت نہیں کرتے - چونکہ مہذب اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تعداد سال بسال بڑھتی جاتی ہے کیونکہ لڑکون کی تعلیم و تربیت کا خیال روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے اسلئے لڑکیوں کی تعلیم و تربیت بھی ایک نہایت ضروری اور لابدی امر ہوگیا ہے - اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہم کھُلم کھلا اعلان کرتے ہیں کہ نکاح کا اعتبار اور وقار بالکل جاتا رہیگا اور اسکا رواج اُٹھہ جائیگا -

اگر یہہ کہا جاے کہ اس زمانہ کے تعلیم یافتہ نوجوان اُس نکاح پر جس میں اُن کو اپنی پیاری امیدوں سے مایوسی ہے تجرد کو ترجیح دیتے ہیں تو اس میں بالکل مبالغہ نہیں ہے - کیونکہ وہ ایسی زوجہ کو اپنے نکاح میں لانا پسند نہیں کرتے جس کو اونھوں نے کبھی نہ دیکھا ہو - بلکہ ان کو ایک مونس اور غمگسار دوست مطلوب ہوتا ہے جو اُنکے ساتھ محبت کرے اور وہ اُسکے ساتھ محبت کریں اُنکو خادمہ کی ضرورت نہیں ہے جس سے صرف قسم کے کام لئے جاسکتے ہیں - اُن کی خواہش ہے کہ اُن کے بچوں کی ماں کم از کم اسقدر ذی علم اور تجربہ کار ہو کہ وہ اپنے بچوں کو پاکیزہ اخلاق اور اصول حفظان صحت کے مطابق تربیت کرسکے -

جو لوگ تعصب اور قدیم رسم و رواج کی تقلید سے آزاد ہیں وہ بالضرور زمانہ حال کے تعلیم یافتہ نوجوانون کے اس میلان کو دیکھکر خوش ہونگے کہ وہ روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے اور اُن کی خواہشات کا دریافت کرنا اور اُنکے مطالب اور مقاصد پر کافی غور کرنا ضروری خیال کرینگے - مجھے اُمید ہے کہ وہ اُن کی آرا اور خیالات پر کافی غور کئے بغیر فرنگیوں کی تقلید کا اتہام اُنکے ذمہ نہ لگائینگے - بلکہ اُن کے دعوے اور مطالب کو عقل اور شریعت کی میزان میں وزن کرینگے اور جب اُنکو ثابت ہوجائیگا کہ وہ تغیر جسکے جدید تعلیم یافتہ نوجوان خواستگار ہیں مذہب اسلام کے اصول اور گذشتہ مسلمانون کی رسوم کے مطابق ہے اور ایک ایسی

اصلاح ہے جو عقل سلیم کے موافق ہے تو وہ اُنکی مساعدت اور اعانت میں ہرگز کوتاہی نہ کرینگے۔

تعدد زوجات

تعدد زوجات منجملہ اُن رسوم اور عادات کے ہے جو ظہور اسلام کے زمانے مین جاری تھین، اور جبکہ عورت مرتبہ انسان اور حیوان کے بین بین ایک خاص نوع خیال کی جاتی تھی اُسوقت یہہ رسم روے زمین کے تمام ممالک میں بڑی شدومد کے ساتھہ پھیلی ہوئی تھی۔ یہہ عادت منجملہ ان عادتوں کے ہے جن کی نسبت تاریخی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سوسائٹی مین عورت کیحالت کے تابع ہوتے ہیں جس قوم مین عورت کی حالت سوسائٹی مین پست اور ذلیل ہوتی ہے اُس قوم میں بڑے زور شور کے ساتھہ یہ عادت جاری ہوتی ہے اور جسقدر اس میں بلحاظ تہذیب اور شائستگی کے ترقی ہوتی جاتی ہے اُسیقدر تعدد زوجات کا دستور بتدریج کم ہوتا جاتا ہے اور آخرکار جب قوم ترقی کی معراج پر پہونچ جاتی ہے تو یہہ رواج بالکل زائل ہوجاتا ہے بشرطیکہ کوئی خاص اسباب اُس قوم کے ایک فرد یا چند مخصوص افراد کو اُس پر مجبور کرنے والے موجود ہون، ایسی حالت میں صرف اُنہیں مخصوص افراد پر محدود رہتا ہے حتی کہ جو قوم تعدد زوجات کی عام طور پر خوگر ہے اس میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص بلحاظ اپنی کمال عقل کے اس درجہ پر پہونچ جاتا ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال واولاد میں اپنی عورت کے مرتبہ کو سمجھنے لگتا ہے اور اس بات کو معلوم کرلیتا ہے کہ شریعت اور فطرت کے مطابق جس مرتبہ کی وہ مستحق ہے اُس پر پہونچنا اُسکا ایک واجبی حق ہے تو وہ صرف ایک ہی زوجہ پر اکتفا کرتا ہے۔ اس کی تائید میں ہم اپنا مشاہدہ پیش کرسکتے ہین جس سے کوئی شخص انکار نہین کرسکتا کہ ہماری قوم کے بعض طبقون اور خاندانون میں یہہ عادت گذشتہ بیس سال کی نسبت بہت کم ہوگئی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس عادت کے زائل ہونے میں کسی قدر غلامی کی ممانعت کو بھی دخل ہے
کیونکہ اُس کی بدولت لونڈیوں کی خرید و فروخت کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے جن سے اکابر قوم کے
محلات بھرے رہتے تھے۔ مگر مجھکو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری قوم کے مردوں کی عقلی ترقی اور اُنکی
تہذیب و شائستگی کو بھی اس عادت کے معدوم ہونے میں سب سے بڑا دخل ہے۔ کیونکہ ایک مہذب
شخص اپنی عورت کے ساتھ جابرانہ خود مختاری کے ساتھ معاملہ کرنا پسند نہیں کر سکتا اور نہ اُسکی
مروت اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کر کے اُسکی توہین اور تحقیر
جائز رکھے۔

ظاہر ہے کہ تعدد زوجات میں عورت کی نہایت سخت تحقیر ہے کیونکہ جسطرح کوئی مرد
ایسا نہیں پایا جاتا جو اپنی عورت کی محبت میں کسی دوسرے مرد کا شریک ہونا پسند کرتا ہو اسیطرح
کوئی عورت ایسی نہیں ہو سکتی جو اپنے شوہر کی محبت میں کسی دوسری عورت کا شریک ہونا پسند
کرتی ہو۔ یہہ خواہش جسطرح مرد کے لئے طبعی اور خلقی ہے اسی طرح عورت کے لئے طبعی
اور خلقی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہہ خواہش طبعی نہیں ہے جسکی تائید میں وہ مرغ
کی مثال پیش کرتے ہیں جو تنہا بیشمار مرغیوں کے درمیان بسر کرتا ہے۔ بالفرض اگر اُن کی
یہہ رائے تسلیم بھی کر لی جائے تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہہ خواہش انسانی
نفوس میں ہزاروں برسوں تک نسلاً بعد نسل منتقل ہونے سے اسقدر راسخ اور مستحکم ہو گئی
ہے جو خلقی اور فطری خواہشوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

بہر حال جس عورت کو اپنی ذاتی عزت اور احترام کا خیال ہے وہ اگر اپنے شوہر کے پہلو
میں کسی دوسری عورت کو دیکھے گی تو بے شک اُسکو رنج اور صدمہ ہو گا۔ اسلئے کہ اُسکی حالت ان
دونوں باتوں سے خالی نہیں ہو سکتی۔ یا تو اُسکے دل میں اپنے شوہر کی خالص محبت

ہو گی تو اُس کے دل میں رشک اور غیرت کے شعلے بھڑک اُٹھیں گے جس کی تکلیفات اور صدمات اُس کو جھیلنی پڑیں گی۔ یا اگر اُسکے دل میں شوہر کی خالص محبت نہ ہو گی لیکن وہ کسی وجہ سے اُسکے ساتھ زندگی بسر کرنے پر راضی ہو گی پس وہ اس وقت بھی خاندان میں اپنی ایک خاص وقعت دیکھتی ہو گی مگر جب اُس کا شوہر دوسری عورت کے ساتھ نکاح کریگا تو بالضرور اُس کو اس بات کا صدمہ ہو گا کہ خاندان میں جس قدر عزت اور وقعت باقی تھی وہ بھی جاتی رہی۔ غرضکہ رنج و غم اور صدمہ سے اُس کو کسی حالت میں چھٹکارا نہیں ہو سکتا

اگر یہہ کہا جاے کہ تجربہ اور مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دو یا زیادہ عورتوں کا جمع کرنا ممکن ہے جبکہ ان میں سے ہر ایک اپنی حالت پر راضی اور خوش خرم رہے۔

اِسکا جواب دو طرح پر دیا جا سکتا ہے۔ اول یہہ ہے کہ دعوی کہ سب عورتیں اپنی حالت میں راضی اور خوش خرم رہیں صحیح نہیں ہے۔ صرف بعض شاذ و نادر افراد میں اس کی صحت تسلیم کی جا سکتی ہے جن کا قوم کی حالت کے اندازہ کرنے میں اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ عورتون اور اُنکے شوہرون کے درمیان جھگڑون اور مناقشوں کے جس قدر واقعات ہوتے ہیں اور جسقدر جرائم اُن سے سرزد ہوتے ہیں وہ حد تعداد و شمار سے باہر ہیں۔ یہہ اسبات کی کافی شہادت ہے کہ تعدد زوجات باہم سوکنوں اور اُنکے شوہرون کے درمیان موجب نزاع و فساد اور تمام اعزہ و اقارب کے حق میں باعث بدبختی اور بدنصیبی ہے۔ جو لوگ اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ ہماری عورتیں متعدد ہونے کی حالت میں بھی راضی اور خوش خرم رہتی ہیں اور دلی اطمینان اور راحت کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہیں درحقیقت اُنکو معلوم ہی نہیں کہ گھرون کی چار دیواری میں عورتوں کی کیا حالت ہے۔ دوسری طرح پر ہم یہہ جواب دیتے ہیں کہ رضامندی کی چند شاذ و نادر مثالیں جو دیکھی جاتی ہین اُسکی وجہ یہہ ہے

کہ ہماری عورتیں بوجہ اپنی جہالت اور نادانی کے اپنی ذات کو مردوں کی ملک سمجھتی ہیں اور یہہ خیال کرتی ہین کہ ان کو اختیار ہے کہ ایک عورت پر اکتفا کریں یا اُس کے ساتھ دوسری اور تیسری اور چوتھی کو جس طرح چاہیں شریک کرلین عورتوں کو کوئی حق نہین کہ وہ اس بارہ میں مردوں سے بازپرس کرسکیں جس طرح ابھی گذشتہ قریب زمانہ مین مصر کے لوگ اپنے آپ کو حکام کی ملک سمجھتے تھے۔

مجھکو یقین ہے کہ ایک مہذب شخص جو اُن فرائض کو بخوبی سمجھتا ہے جو شریعت اور انصاف نے اُسکے ذمہ ڈالے ہین اُن ذمہ داریون کو ھرگز انجام نہیں دے سکتا جو زیادہ نہیں بلکہ صرف دو عورتوں کے جمع کرنے سے انسان کے ذمہ عاید ہوتی ہیں۔

ھم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ عورت کی فطرت میں اس بات کا طبعی میلان ہے کہ وہ مرد کے دل کو اپنے قابو میں لے آئے۔ پس جبکہ وہ اپنے شوھر کے پہلو مین کسی دوسری عورت کو دیکھے گی جو یہی میلان رکھتی ہے اور جس کے لئے بعض وسائل سے اپنی اس خواھش کا پورا کرنا ممکن ہے تو اُس کے دل میں نہایت بے چینی اور بیقراری پیدا ہوگی اور آرام وراحت اُس سے رخصت ہوجاینگے اور اُس کی زندگی ایک سخت دردناک عذاب بن جائے گی۔ چونکہ یہہ حالت ایک مہذب اور عقلمند شخص پر مخفی نہیں رہسکتی تو کس طرح ممکن ہے کہ وہ اس دردناک عذاب کا مشاہدہ کرتا رہے اور آرام واطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرسکے۔

عورتون کی بے چینی اور بے قراری اس سے اور بھی بڑھ گئی ہے کہ فقہائنے اس امر کی تصریح کردی ہے کہ مرد پر اپنی عورتون کے درمیان محبت میں عدل کرنا ضروری

نہیں ہے بلکہ نان ونفقہ وغیرہ میں عدل کا ملحوظ رکھنا کافی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ عورت کی اس درجہ بدبختی اور بدنصیبی کا ایک مہذب شخص کے دل پر سخت اثر ہوگا اور ہمیشہ اُسکو بھی خیال رہیگا کہ اس بدبختی کا اصلی سبب میں ہی ہوں علاوہ ازیں مختلف ماؤں سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ باہمی نفاق وفساد اور آپس کے جھگڑوں اور مناقشوں کی تیز اور تند آندھیوں میں نشوونما پائے گی۔ اسلئے وہ باہم برادرانہ محبت اور شفقت کے تعلقات ہرگز مستحکم نہ کرسکیں گے بلکہ اسکے برخلاف ان کے دلوں پر باہمی بغض وعداوت کا گہرا رنگ چڑھتا جائیگا اور جب وہ اپنی ماؤں کو آپس میں لڑتے جھگڑتے یا اپنے باپ کے ساتھ جوتی بیزار ہوتے دیکھیں گے تو جو کچھ اس کا اثر ان کے دلوں پر ہوگا اُسکو کون روک سکتا ہے۔ بلکہ یقیناً انکے دلوں میں نفاق اور فریب اور غداری کا زہریلا مادہ سرایت کرجائیگا اور وقتاً فوقتاً اُسکا اثر ظاہر ہوتا رہیگا۔ اُنکی مثال یوروپین ممالک کی سی ہوگی جو صلح کا اظہار کرتے اور چپ چاپ جنگی طیاریوں میں مصروف رہتے ہیں اور جب موقع ملتا ہے تو ایک دوسرے پر یورش کرتے اور آپس میں لڑمرتے ہیں۔ یہی وہ افسوسناک حالت ہے جو ہماری قوم کے اکثر خاندانوں میں دیکھی جاتی ہے

اس حالت کو تم اُس متحد خاندان کی حالت کے ساتھ مقابلہ کرو جہاں اولاد اپنے والدین کے آغوش شفقت میں پرورش پاتی ہے سچی اور دلی محبت کا جوش اُنکے دلوں میں موجزن ہے۔ باہمی محبت اور الفت کے بڑھانے اور رشتۂ اخوت کو تقویت دینے میں وہ ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں اُنکے درمیان ایک مستحکم معاہدہ ہوچکا ہے جس نے اِن کو مثل ایک جسم کے اعضا کے بنادیا ہے۔ اگر ان میں کوئی خوش ہے تو اُس کے ساتھ سب کے سب خوش ہیں اور اگر ان میں سے کوئی روتا ہے تو اُسکے

ساتھ سب روتے ہیں۔ بے شک یہی لوگ دنیا میں خوش قسمت ہیں۔ خدا نے اُن کو بہت بڑی اعلیٰ درجہ کی نعمت عطا فرمائی ہے جس کی عاقل تمنا کرتے ہیں۔ وہ کیا ہے؟ رشتہ داروں کی باہمی محبت۔

پس بلاشک وشبہ مرد کے لئے سب سے بہتر یہ بات ہے کہ وہ ایک بی بی پر اکتفا کرے۔ اس حالت میں وہ ان فرائض کو ادا کر سکے گا جو شریعت نے اُس کے ذمہ عائد کئے ہیں اور اپنے اور بچوں کے نان ونفقہ، تربیت اور محبت کے حقوق ادا کر سکے گا۔

کوئی شخص دوسرا نکاح کرنے کے لئے مجبور اور معذور نہیں خیال کیا جاسکتا مگر سخت ضرورت کی حالت میں مثلاً جبکہ اُس کی پہلی بی بی کسی مرض مزمن میں مبتلا ہو اور فرائض زوجیت کے ادا کرنے سے قاصر ہو۔ میں یہہ بات کہتا ہوں مگر میں اسکو پسند نہیں کرتا کہ ایسی حالت میں بھی کوئی شخص دوسرا نکاح کرے کیونکہ اس میں عورت کا کچھ قصور نہیں۔ اور مروت اس بات کی مقتضی ہے کہ مرد ان تمام تکلیفات اور صدمات کو صبر کے ساتھ برداشت کرے جو اس کی بیماری کی حالت میں اُسکی عورت کو برداشت کرنا پڑتے۔

علاوہ ازیں ایک دوسری حالت بھی ایسی پائی جاتی ہے جس میں دوسرا نکاح کرنا چنداں قابل ملامت نہیں۔ خواہ پہلی بی بی کو بدستور باقی رکھکر اگر وہ پسند کرے یا اُسکو طلاق دیکر اگر وہ ایسا چاہے۔ اور وہ یہہ صورت ہے کہ عورت بانجھ ہو اور اُس کے اولاد ہونے سے قطعی مایوسی ہو۔ کیونکہ اکثر مرد اس بات کو گوارا نہیں کرسکتے کہ اُن کی نسل منقطع ہوجائے۔

غرضکہ ان صورتوں اور ایسی حالتوں کے ماسوا دوسرا نکاح کرنا میرے نزدیک شہوت رانی کے لئے ایک شرعی حیلہ ہے جو فساد اخلاق اور اختلال حواس اور حرص لذات پر دلالت کرتا ہے۔

جو شخص اُن قرآنی نصوص پر غور کریگا جو تعدد زوجات کی نسبت وارد ہوئی ہیں تو اُس کو معلوم ہوگا کہ وہ آن واحد میں حرمت اور اباحت دونوں پر مشتمل ہیں۔ خداوند تعالیٰ

”فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ“

”ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفورا رحیما“

فرماتا ہے ”تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کرلو لیکن اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ کئی بی بیوں میں برابری کے ساتھ برتاؤ نہ کرسکو گے تو اس صورت میں ایک ہی پر قناعت کرنا چاہئیے“

”اور تم اپنی طرف سے بہتیرا چاہو لیکن یہہ تم سے ہو ہی نہیں سکیگا کہ کئی بی بیوں میں پوری پوری برابری کرسکو تو بالکل ایک ہی طرف مت جھک پڑو کہ دوسری کو اسطرح چھوڑ بیٹھو کہ گویا ادھڑ میں لٹک رہی ہے اور اگر آپس میں موافقت کرلو اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے بچتے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے“

ان آیات سے وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ شارع نے ایک بی بی پر اکتفا کرنے کو صرف عدم عدل کے خوف پر محمول کیا ہے اور اسکے بعد تصریح کی ہے کہ عدل غیر ممکن ہے۔ پس ایسا کون شخص ہے جسکو عدم عدل کا خوف نہ ہو جبکہ یہہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ عدل ناممکن ہے؟ کیا انسان کسی محول کام کے انجام دینے سے خوف

نہیں کرتا ۔ میرا خیال ہے کہ جب انسان کوئی ایسا کام شروع کرتا ہے جو اُس کی استطاعت سے
باھر ہوتا ہے تو اُسکو ضرور اِس بات کا خوف بلکہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اُسکے انجام دینے سے
عاجز اور قاصر رہے گا۔

اگر کوئی شخص اِن دونوں آیتوں سے تعدد زوجات کی حرمت کا حکم لگائے تو اُس کا
یہہ حکم اِن آیتوں کے معنوں سے کچھ بعید نہ ہوگا مگر سنت اور عمل اسکے برخلاف ہے جس سے
فی الجملہ اباحت معلوم ہوتی ہے۔

پس گویا کہ شرعی طور پر اِن دونوں آیتوں نے بحیثیت مجموعی تعدد زوجات کی حلت
کا حکم لگایا ہے اور یہہ کہ خداوند تعالیٰ نے لوگوں کو اُنکے دلی خیالات پر چھوڑ دیا ہے پس
جس شخص کو اپنے نفس پر اسقدر بھروسہ ہو کہ اُسکو عدم عدل کا بالکل خوف نہ ہو تو اُس کے
لئے عند اللہ تعدد زوجات مباح ہوگا اور جسکو اسقدر بھروسہ نہ ہو اُس کے لئے ایک سے
زیادہ نکاح کرنا حرام ہوگا۔ اور اسکے ساتھ مزید تحذیر کی غرض سے یہہ بھی کہدیا ہے کہ اِس
درجہ قوت نفس استطاعت سے باہر ہے۔

غایت ما فی الباب اِس آیت سے تعدد زوجات کی حلت معلوم ہوتی ہے جبکہ بے انصافی
کا خوف نہ ہو۔ اور یہہ حلال بھی مثل اِن دیگر مباحات کے ہے جن پر منع اور کراہت وغیرہ کے
شرعی احکام عارض ہوتے ہیں بلحاظ اُنکے مفاسد اور مصالح کے۔ پس جب کہ اکثر لوگ اپنی عورتوں
پر ظلم و ستم کرتے ہوں جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے، یا تعدد زوجات سے
خاندانوں میں فساد برپا ہو، یا شرعی حدود سے جن کا التزام واجب ہے تجاوز ظہور میں آئے
اور خاندان کے ممبروں میں دشمنی اور عداوت پیدا ہو اور یہہ باتیں اسقدر شایع اور
ذائع ہوں کہ قریباً عام ہو جائیں تو مصلحت عامہ کی رعایت سے حاکم کے لئے

جائز ہوگا کہ وہ تعدد زوجیات کو مشروط یا غیر مشروط طور پر روک دے جیسا کہ اقتضاے مصلحت ہو۔

اس زمانہ کے لوگوں کو مناسب ہے کہ وہ اس عادت سے بطور خود باہر رہنے کی کوشش کریں اور میں نہیں خیال کرتا کہ ہماری آیندہ نسلوں میں سے کوئی شخص اسکے متروک ہو جانے پر افسوس کریگا۔ کیونکہ ایسی حالت میں عورتوں سے فائدہ اُٹھانا اگرچہ شہوانی حیثیت سے کم ہو جائیگا لیکن معنوی حیثیت سے اس میں اضافہ ہوگا جو ہر شخص کے لئے نکاح کا اصلی مقصد ہونا چاہیئے۔

کیونکہ جو شخص عقل کے مشورہ کے موافق نکاح کی طرف رغبت کرتا ہے اُسکی غرض صرف یہی ہوتی ہے کہ وہ نکاح کے ذریعہ سے اپنے لئے ایک ایسا ہم نشین اور ہمدرد و غمگسار بہم پہونچائے جو مونس تنہائی اور شریک رنج و راحت اور تربیت اولاد اور دیگر کاروبار میں اُس کا معین و مددگار ہو۔ اس لئے وہ نہایت شریف اور عالی خاندان عقیل اور فہیم پاکیزہ صورت نیک خصلت عورت کو اس کام کے لئے منتخب کرتا ہے تاکہ اُس کی ظاہری اور باطنی خوبیاں باعث خوشی اور تسلی ہوں۔

یہہ تمام باتیں صرف اُسوقت حاصل ہو سکتی ہیں جبکہ نکاح کے ذریعہ سے زندگی بھر کا رفیق غمگسار بہم پہونچایا جاوے جو اپنی اولاد کو نہایت عمدگی اور خوبی کے ساتھ تربیت دے سکے اور اُن کے اخلاق و عادات کی اصلاح کر سکے تاکہ باہمی محبت اور الفت پر اُنکی نشو و نما ہو۔ ایسی حالت میں مرد اصلی راحت اور حقیقی طمانیت کے ساتھ زندگی بسر کریگا۔ جو لوگ نفسانی شہوات کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں وہ ان لذتوں سے کیونکر فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

طلاق

فرانس کا مشہور و معروف مصنف "والٹیر" اپنے خاص ظریفانہ انداز میں جو اس نے اپنی اکثر تالیفات میں اختیار کیا ہے لکھتا ہے کہ "نکاح اور طلاق دونوں تقریباً ایک ہی وقت عالم وجود میں آئے مگر میرا خیال ہے کہ نکاح کی عمر بہ نسبت طلاق کے صرف چند ہفتہ زیادہ ہے یعنی مرد نے نکاح سے دو ہفتہ کے بعد اپنی بی بی سے جھگڑا کیا اور تین ہفتہ کے بعد اُسکو مارا اور آخر کار چھ ہفتہ کے بعد اُسکو طلاق دیدی" اس سے مصنف مذکور کی یہہ مراد ہے کہ دنیا میں طلاق بھی ایک نہایت قدیم چیز ہے جو تقریباً نکاح کے لوازمات میں داخل ہے۔ اور یہہ بات بالکل صحیح ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ قوموں کی تاریخ ہمکو بتاتی ہے کہ طلاق یہودیوں، فارسیوں، یونانیوں اور رومانیوں میں مروج تھی اور صرف عیسوی شریعت نے اپنے نزول کے کچھ عرصہ بعد اُس کی ممانعت کی۔

اس ممانعت کا اثر مغربی قوموں کی شریعتوں میں اب تک باقی ہے جن میں نکاح کی بنیاد اس اصول پر رکھی گئی ہے کہ نکاح ایک ایسا عقد ہے جو بی بی یا شوہر کی موت کے بغیر کسی طرح نہیں ٹوٹ سکتا۔ مگر اس عقد کے احترام میں اسقدر مبالغہ کیا گیا ہے کہ وہ نوع انسان کے آرام و آسایش کے ساتھ کسی طرح متفق نہیں ہو سکتا۔ بے شک دنیا میں شایستہ اور ہونہار قوموں کی یہی تمنا ہے کہ عقد نکاح ایسا مستحکم ہو جسکو موت کے سوا کوئی چیز نہ توڑ سکے لیکن اس امر کی رعایت کرنا بھی واجب ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ زندگی بسر کرنا جس کے ساتھ معاشرت کرنا ناممکن ہو انسانی طاقت سے خارج ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک عرصہ کے بعد مغربی قوموں کو اس بات کا احساس ہوا کہ کنیسہ کے احکام لوگوں سے بغیر اُن کی حاجتوں اور ضرورتوں کی رعایت کے کمال مطلق کے طلبگار ہیں۔ اور اِس کا یہہ نتیجہ ہوا کہ لوگوں کے دلوں میں ان احکام کی غلامی سے آزاد ہونے کی تحریک پیدا ہوئی اور اس لئے وہ اپنی زندگی کی مصلحتوں اور اپنی ضرورتوں کے مطابق قانون بنانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب یہہ خیال عام طور پر لوگوں کے دلوں میں استحکام کے ساتھ قایم ہوگیا تو خود کنیسہ کو مجبور ہونا پڑا کہ وہ عام لوگوں کی خواہشوں اور مطالبوں کا لحاظ کرے اور اُس نے منظور کیا کہ اگر زوجین میں سے کوئی شخص یہہ بات ثابت کردے کہ وہ نکاح کے وقت پوری طرح با اختیار نہ تھا یا اُس نے دوسرے کی شناخت کرنے میں غلطی کی، یا ان میں سے کوئی اس بات کا دعوی کرے کہ دوسرا شخص فرائض زوجیت کے ادا کرنے سے قاصر ہے تو نکاح فسخ ہوسکتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس دوسری حالت میں بذریعہ تاویل کے نہایت درجہ وسعت ہونے لگی حتی کہ تمام چیزیں اس میں داخل ہوگئیں۔ اور آخر کار یہاں تک نوبت پہونچی کہ فسخ نکاح کے لئے زوجین میں سے ایک شخص کا صرف یہہ دعوی کرنا کافی ہوتا تھا کہ دوسرا شخص نکاح کا نہایت ضروری فرض ادا نہیں کرتا یا وہ اُس کے ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اور اِسکی دلیل صرف یہہ تھی کہ اس بات کا جاننا کہ وہ نکاح کا ضروری فرض ادا کرنے سے قاصر ہے یا نہیں زوجین کے سوا دوسرے شخص کے لئے ناممکن ہے پس ان میں سے کسی کا دعوی ہی کافی دلیل ہے جس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

مگر قوموں کی ضرورتوں کے پورا کرنے کے واسطے یہ تساہل بھی کافی نہوا اور ایک عرصہ کے بعد پھر قوموں نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ کنیسہ سے مطالبہ کیا کہ ایسے احکام نافذ کئے جائیں جو عام لوگوں کے لئے موجب راحت ہوں۔ یہہ خیال زیادہ تر

اِسوجہ سے غالب ہوا کہ وہ اسباب جو فسخ نکاح کے واسطے کنیسہ نے قرار دئے تھے ایک دھوکہ دہی اور حیلہ سازی غالب ہوگئی اور کسی شریعت کا مکر اور حیلوں کی بنیاد پر قایم ہونا ایک ایسی بات ہے جس کو مہذب نفوس اور صاحب ذوق سلیم کسی طرح پسند نہیں کر سکتے۔

اِسی وجہ سے مغربی حکومتون کو مجبوراً طلاق کے جواز کی تصریح کرنی پڑی اور اُسکے لئے کچھ شرائط قرار دین اور اُنکو اپنے قوانین میں داخل کیا۔ اور اسطرح پر کنیسہ کی اختیارات کو جو طلاق کی نسبت اُسکو حاصل تھے زوال ہوا جسطرح کہ اُسکی اُن تمام اختیارات کو زوال ہوا جن میں اُس کے احکام ان قومون کی مصلحتون کے موافق نہ تھے۔ ہر ایک مذہب اور شریعت جس کے احکام میں مقتضائے وقت اور مقتضائے مقام کی رعایت نہیں کی جاتی اور جس کے مقلد انسانی طبیعت سے غافل ہو جاتے ہیں اور اُس کے پیرو اپنے متقدمین کے قرار دئے ہوئے احکام پر اکتفا کر کے ایک جگہ ٹھہر جاتے ہیں نہ اُنکے رموز اور اسرار پر غور کرتے اور نہ ان احکام کے نفاذ کے طریقون کو سوچتے ہیں اُسکا یہی حشر ہوتا ہے۔

باوجودیکہ کنیسہ کی طرف سے سخت معارضہ ہوا۔ اور اُس نے اس بات کا اعلان کیا کہ جس شخص نے قانون کے مطابق طلاق دی ہے اُسکو دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ قانونی طلاق درحقیقت معتبر نہیں ہو سکتی۔ لیکن تاہم طلاق تمام مغربی قومون کے قوانین میں داخل ہوگئی مگر وہ سوائے امریکن قوم کے جو ترقی کی کوششون میں سب سے زیادہ پیش قدم ہے دیگر مغربی قومون میں قبولیت کے اِس درجہ کو نہیں پہونچی جس کی مستحق تھی اور نہ اُس کے احکام ایسی وسعت کے ساتھ بیان کئے گئے۔ امریکن قوم نے اپنے قوانین کے دروازے طلاق کے لئے کھول دئے اور دیگر قومون کیطرح

اُسکو بعض خاص خاص حالات کے ساتھ مقید نہیں کیا۔

جو لوگ مغربی قوموں کے حالات سے واقف ہیں اُن کو معلوم ہے کہ تمام اہل مغرب رفتہ رفتہ احکام طلاق میں وسعت کی طرف مائل ہیں اور ضرور ہے کہ وہ ایک دن اس بات کا اقرار کرینگے کہ طلاق کا جواز جو ثبوت زنا کی حالت میں قرار دیا گیا ہے وہ قوم کی ضرورتوں کیلئے ناکافی ہے۔ اور طلاق اسوقت بالکل مباح قرار دی جاوے گی جب کہ اُس کے اسباب زوجین کے درمیان پیدا ہو جائیں اور اُنکی مرضی پر منحصر کر دی جائے گی۔

اِس میں شک نہیں کہ بغیر کسی قید کے طلاق کا مباح کر دینا ضرر سے خالی نہیں ہے لیکن یہہ اِن مضرات میں سے ہے جن کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور جن کو مجبوراً اختیار کرنا پڑتا ہے اُس کے اختیار کرنے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اُس کی منفعتیں اُسکی مضرتون سے بہت زیادہ ہیں۔

ہم اِس وسیع موضوع میں زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے کیونکہ ہم نے اس مختصر رسالہ میں حتی الوسع نظری مباحث سے اجتناب کیا ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ جو شخص قرآن مجید کی آیتون پر غور کریگا جو طلاق اور اُسکے احکام پر مشتمل ہیں اُسکو معلوم ہوگا کہ خداوند تعالیٰ نے مسلمانون کو نہایت عظیم الشان نعمت عطا فرمائی ہے۔ اور وہ اِس بات کا اقرار کریگا کہ قرآن مجید کی آیتین انتہا درجہ کی حکمت پر مشتمل ہیں اور ہر چیز اسطرح بیان کی گئی ہے جسطرح کہ وہ ہونی چاہیئے تھی۔

سب سے پہلے جس امر پر غور کرنا لازمی ہے وہ یہہ ہے کہ ہماری شرع شریف نے مسئلہ طلاق میں ایک عام اصول قرار دیا ہے جسکی طرف احکام طلاق کے تمام

فروعات کو راجع ہونا چاہیئے اور وہ یہہ ہے کہ وطلاق فی نفسہ حرام ہے اور ضرورت کیلئے مباح ہے" قرآن مجید کی آیتون اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثون اور ائمہ کے اقوال میں اسکے بے شمار شواہد موجود ہیں جن میں سے ہم بعض اس مقام پر نقل کرتے ہیں

خداوند تعالی فرماتا ہے کہ "اور اگر تم کو بی بی کسی وجہ سے ناپسند ہو تو عجب نہیں کہ تم

"فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا"

کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ اس مین بہت خیر وبرکت دے"

اور نیز فرماتا ہے کہ "اور اگر تم کو میان بی بی میں کھٹ پٹ کا اندیشہ ہو تو ایک

"وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما"۔

پنچ مرد کے کنبے میں سے مقرر کرو اور ایک پنچ عورت کے کنبے میں سے اگر پنچون کا دلی ارادہ میان بی بی میں اصلاح کرا دینے کا ہو تو اللہ ان کے سمجھانے بجھانے سے دونوں میں موافقت کرا دے گا"

اور نیز فرماتا ہے کہ "اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا

"وان امراۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر واحضرت الانفس الشح وان تحسنوا

اندیشہ ہو تو میان بی بی دونوں میں کسی پر کچھہ گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کرلیں اور اگر ایک دوسرے کے ساتھہ سلوک کرو اور سخت گیری سے بچے رہو تو خدا تمھارے ان نیک کاموں سے

وتتقوا فان اللہ بما تعملون خبیرا،،	یا جب ہے وہ تم کو اسکا اجر دے گا،،

حدیث شریف میں آیا ہے کہ خداوند تعالیٰ کے نزدیک طلاق مبغوض ترین مباحات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بغیر ثبوت زنا کے تم اپنی بی بیوں کو طلاق نہ دو کیونکہ خدا چکھنے والوں اور چکھنے والیوں کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نکاح کرو اور طلاق مت دو کیونکہ طلاق سے خدا کا عرش بھی ہل جاتا ہے۔

ابن عابدین کے حواشی میں وارد ہوا ہے کہ "در اصل طلاق میں حرمت ہے" یعنی طلاق فی نفسہ حرام ہے مگر کسی عارض کی وجہ سے وہ مباح ہو جاتی ہے۔ یہی معنی ہیں فقہا کے اس قول کے کہ "اصل طلاق میں حرمت ہے اور اباحت صرف خلاص کی ضرورت سے ہے" پس اگر وہ بلا سبب دیجائے جس میں خلاص کی ضرورت نہ ہو تو وہ بالکل حماقت اور نادانی اور سراسر گدھاپن اور کفران نعمت اور عورت اور اُس کی اولاد اور عزیزوں کو تکلیف دینا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا" یعنی اگر وہ تمہاری اطاعت اور فرمانبرداری کریں تو طلاق دینے کا ارادہ نہ کرو۔"

جن لوگوں نے فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اگرچہ اُنہوں نے یہہ بات دیکھی ہوگی کہ بالعموم تمام ائمہ کی اس عظیم الشان اصول پر نظر گئی ہے جو حتی الامکان طلاق کے دائرہ کو تنگ کرنے والا ہے۔ لیکن تاھم اُنہوں نے یہہ بات بھی ضرور دیکھی ہوگی کہ ائمہ نے ایک خاص اور سادی طریقہ کے مطابق فروعات میں اس اصول کو جاری نہیں کیا

اور نیز یہہ کہ ائمہ کا اتباع کرنے والے فقہا نے طلاق کے مسئلہ کو نہایت وسعت دی ہے اور واقعات کو احکام کے ساتھ تطبیق دیتے ہیں اُن کا طریقہ کسی خاص وغیرہ کا پابند نہیں رہا۔ اور یہہ اختلاف بالخصوص تین اھم مسائل میں دیکھا جاتا ہے جو زیادہ تر قابل غور و توجہ ہیں۔

منجملہ انکے پہلا مسئلہ وقوع طلاق صریح کا مسئلہ ہے جبکہ اُسکے ساتھ نیت نہ کی گئی ہو۔ اس مسئلہ میں بعض فقہا اور خصوصاً فقہائے حنفیہ نے اُس عام اصول کو نظر انداز کر دیا ہے جس پر اکثر شرعی احکام کی بنیاد رکھی گئی ہے اور جس کی کتاب اور سنت نے تصریح کی ہے اور جس کی بنیاد پر مجبور اور غافل اور مخطی کو غیر مکلف قرار دیا ہے۔ مگر فقہا نے طلاق کو اس عام اصول کے دائرہ سے خارج رکھا ہے اور مجبور اور غلطی کرنیوالے اور ہنسی کرنیوالے اور مدہوش کی طلاق واقع ہونے کا حکم لگایا ہے حالانکہ وہ مدہوش کی یہہ تعریف کرتے ہیں جو آسمان سے زمین کو تمیز نہ کر سکے۔

ظاہر ہے کہ ایسی رائے دینے والون نے نیت کا اعتبار نہیں کیا جو مذہب اسلام کے احکام کی اصل اصول ہے جیسا کہ حدیث "انما الاعمال بالنیات" سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح ان فقہا نے شارع کی اس غرض کی طرف التفات نہیں کیا ہے کہ طلاق فی نفسہ حرام ہے اور وہ خدا کے نزدیک مبغوض ترین مباحات میں سے ہے ایسے حالات میں طلاق کے نافذ ہونے کے انہون نے کچھ اسباب بیان کئے ہین جن کو اس مقام پر نقل کرتا ہوں اُن کی نسبت فیصلہ کرنا ناظرین کی رائے پر چھوڑتا ہون مین نے کتاب الزیلعی میں دیکھا ہے کہ وہ ہنسی کرنے والے اور غلطی کرنے والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ اِس صورت میں طلاق کا لفظ شوہر کی زبان پر جاری ہوا ہے اور

جو شخص طلاق پر مجبور کیا جاوے اُس کی طلاق بھی واقع ہوتی ہے کیونکہ اُس نے دو برائیون میں سے ایک کو دانستہ اختیار کر لیا ہے مگر مدہوش کی طلاق واقع ہونے کا یہہ سبب ہے کہ اُس نے معصیت کا ارتکاب کیا اور وقوع طلاق اُسکے لئے بطور زجر و توبیخ کے ہے۔

لیکن الحمد للہ کہ دیگر اسلامی مذاہب میں اُس کے برخلاف بھی احکام پائے جاتے ہیں جو اصول شریعت اور مصلحت عامہ کے بالکل مطابق ہین۔ جو لوگ اصلاح کے خواستگار ہیں اُنکو مناسب ہے کہ وہ ان احکام پر عمل درآمد کریں اور قرار دیں کہ جو طلاق ایسے حالات میں دی جاوے وہ نافذ نہ ہوگی۔

دوسرا مسئلہ یہہ ہے کہ طلاق جس کی قرآن مجید نے تصریح کی ہے وہ ایک اور رجعی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے

"یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة واتقوا الله ربکم ولا تخرجوهن من بیوتهن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشة مبینة وتلک حدود الله	"اے پیغمبر مسلمانوں سے کہو کہ جب تم اپنی بی بیوں کو طلاق دینی چاہو تو ان کو اُن کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور طلاق کے بعد ہی سے عدت گننے لگو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو۔ عدت میں اُن کو اُنکے گھرون سے نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں مگر یہہ کہ کھلم کھلا بے حیائی کا کام کر بیٹھیں تو اُن کے نکال دینے کا مضائقہ نہیں اور یہہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں۔

ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك امرا فاذا بلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف واشهدوا ذوي عدل منكم"	اور جس شخص نے اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے قدم باہر رکھا تو اُس نے آپ ہی اپنے اوپر ظلم کیا (اے شخص جو بی بی کو طلاق دیتا ہے) تو نہیں جانتا کہ شاید اللہ طلاق کے بعد ملاپ کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ پھر جب عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کو آئیں تو یا تو رجوع کر کے سیدھی طرح ان کو اپنی زوجیت میں رکھے رہو یا سیدھی طرح ان کو رخصت

کرو اور جو کچھ بھی کرو اپنے لوگوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ کر لو"

اور نیز خدا فرماتا ہے کہ "اور ان کے شوہر اگر ان کو اچھی طرح رکھنا چاہیں تو وہ اس

"وبعولتهن احق بردهن في ذلك ان ارادوا اصلاحا"	اثنا میں انکو اپنی زوجیت میں واپس لینے کے زیادہ حقدار ہیں"

لیکن فقہا نے طلاق کو دو قسموں پر منقسم کیا ہے ایک صریح اور دوسری بالکنایہ اور یہ قرار دیا ہے کہ طلاق صریح سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اگرچہ اُس نے ایک سے زیادہ یا ایک بائنہ کی نیت کی ہو۔ لیکن بالکنایہ کی صورت میں ایک بائن واقع ہوتی ہے جسکے بعد رجعت نہیں ہو سکتی اور بغیر عقد جدید کے پھر بی بی حلال نہیں ہو سکتی ہے مگر بعض خاص الفاظ کی صورت میں جن کو اُنہوں نے مستثنیٰ کیا ہے اور نیز طلاق کنایہ کی حالت میں اگر تین کی نیت کی ہو تو تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں۔

لیکن دیگر مذاہب میں جیسا کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب ہی پایا جاتا ہے کہ

وہ تمام طلاقیں جو بالکنایہ دی جائیں رجعی ہیں۔ یہہ امر کہ یہی مذہب حق ہے ظاہر ہے کیونکہ طلاق ہر حالت میں طلاق ہے اور وہ مرد اور عورت کے باہمی تعلق کا جدا کرنا ہے۔ پس اس معنی کی نسبت الفاظ کا اختلاف صرف اختلاف تعبیر ہے جس کی وجہ سے احکام مختلف نہیں ہو سکتے۔ اور اگر خاصکر اس مسئلہ میں الفاظ کے اختلاف سے احکام کا اختلاف تسلیم بھی کر لیا جاوے تاہم مناسب اور عقل کے مطابق تو یہہ تھا کہ طلاق کنایہ کا حکم طلاق صریح کے حکم کی نسبت بہت زیادہ خفیف ہوتا۔

تیسرا مسئلہ یہہ ہے کہ اکثر مذاہب متفق ہیں کہ تین طلاقیں جو متفرق طور پر ایک حیض میں دی جائیں یا دفعتاً دی جائیں اور ایک لفظ کے ساتھہ دی جائیں ان سب صورتوں میں تین طلاقیں واقع ہونگی۔ حالانکہ یہہ طلاق اس قسم کی ہے جس کی نسبت فقہا نے اعتراف کیا ہے کہ وہ بدعی ہے یعنی قرآن مجید اور حدیث شریف کے خلاف ہے۔ بدعی طلاق کا تصور اُس کیفیت کے ساتھہ جو فقہا نے قرار دی ہے نا ممکن ہے حالانکہ قرآن مجید کی صریح آیتیں فقہا کی تاویل کا انکار کرتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسریح باحسان" اس آیت کی تفسیر میں کتاب حسن الاسوۃ میں وارد ہوا ہے کہ "خداوند تعالیٰ نے مرتان فرمایا اور طلقتان نہیں فرمایا یہہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ طلاق اول ایک مرتبہ اور پھر اُسکے بعد دوسری مرتبہ ہونا چاہیئے نہ کہ ایک ہی مرتبہ دو طلاقیں دی جائیں۔ مفسرین کی ایک جماعت نے ایسا ہی فرمایا ہے" اور نیز اُسی کتاب میں وارد ہوا ہے کہ اہل علم اس مسئلہ میں مختلف ہیں کہ جب تین طلاقیں دفعتاً واحدۃ دی جائیں تو آیا صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے یا تین۔ اس مسئلہ میں جمہور فقہا کی رائے یہہ ہے کہ تین واقع ہوتی ہیں اور اُسکے ماسوا دیگر علماء کا یہہ خیال ہے کہ ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور یہی حق ہے۔

علامہ شوکانی نے اس کو نہایت وضاحت کے ساتھ مدلل طور پر ثابت کیا ہے اور اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اسی طرح حافظ ابن القیم نے "اغاثة اللهفان" اور "اعلام الموقعین" میں اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے۔

ابن عابدین میں وارد ہوا ہے کہ "امامیہ سے منقول ہے کہ تین لفظوں سے اور حیض کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ یہہ بدعت محرمہ ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ ایسی حالت میں صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور یہی قول ہے ابن اسحاق اور طاؤس اور عکرمہ کا کیونکہ مسلم میں وارد ہوا ہے کہ "ابن عباس نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد نبوت اور زمانہ خلافت اولی میں اور دو برس تک حضرت عمرؓ کی خلافت میں یہہ معمول تھا کہ جب دفعتہً واحدةً تین طلاقیں دی جائیں تو ایک طلاق واقع ہوتی تھی۔ عمرؓ نے فرمایا لوگ ایسے کام میں عجلت کرنے لگے ہیں جس میں ان کو آہستگی برتنی چاہیئے تھی پس اگر ہم اسکو نافذ کردیں تو مناسب ہوگا اور آپ نے اسکو نافذ قرار دیا" جمہور صحابہ اور تابعین اور انکے بعد ائمۂ مجتہدین کی یہی رائے ہے کہ ایسی حالت میں تین طلاق واقع ہوتی ہیں "فتح القدیر" میں ان احادیث کے نقل کرنے کی بعد جو اس پر دلالت کرتی ہیں لکھا ہے کہ یہہ اس سے معارض ہے جو پیشتر گذر چکا ہے مگر حضرت عمر کا تین طلاقیں نافذ کرنا باوجود اس بات کے جاننے کے کہ وہ ایک ہے اور صحابہ کا انکے ساتھ مخالفت نہ کرنا ممکن نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ ان کو اس وقت کسی ناسخ کی اطلاع ہوئی ہو یا ان کو معلوم ہو کہ اس حکم کی مدت ختم ہو گئی ہے یا ایسے وجوہ معلوم ہوں جن سے اس حکم کا متاخر زمانہ میں موقوف ہوجانا معلوم ہوا ہو بعض حنابلہ کا قول ہے کہ جسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو ایک لاکھ صحابی آپکے دیکھنے والے موجود تھے۔

پس کیا تمکو ان سے یا اُنکے ضرار دین حصہ سے یہہ قول صحت کے ساتھ پہونچا ہے کہ تین طلاقیں واقع ہونا باطل ہے - اول تو اُن کا اجماع ظاہر ہے کیونکہ کسی صحابی کا حضرت عمرؓ کی مخالفت کرنا منقول نہیں ہے جبکہ اُنہوں نے تین طلاقوں کا حکم نافذ کیا تھا - ایک لاکھہ صحابیوں کا اجماعی حکم نقل کرنے کے لئے یہ بات ضروری نہیں کہ بڑی بڑی ضخیم جلدوں میں اُن تمام شخصوں کا نام لکھا جاوے - پس لامحالہ اُنکے سکوت سے اجماع ثابت ہوتا ہے"

اس مسئلہ میں اسقدر احادیث وارد ہوئی ہیں جنکو دیکھنے کے بعد کچھہ بھی شک و شبہہ باقی نہیں رہتا کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے صرف ایک واقع ہوتی ہے - بیہقی میں لکھا ہے "ابن عباس نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ فلاں شخص نے اپنی بی بی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیں، آپ نہایت غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ آیا وہ شخص کتاب اللہ کے ساتھ مسخراپن کرتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں - اس حدیث کو قرطبی نے ذکر کیا ہے اور نسائی نے بھی اُس کو روایت کیا ہے" اور نیز کتاب مذکور میں وارد ہوا ہے کہ "اہل ظاہر اور علماء کی ایک جماعت جس میں شیعہ بھی ہیں اسطرف گئی ہے کہ جب ایک وقت تین طلاقیں دی جائیں تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے کیونکہ ابن عباس سے مروی ہے کہ اُنہوں نے فرمایا کہ تین طلاقیں عہد نبوت اور عہد خلافت اولیٰ میں اور دو سال خلافت ثانیہ میں ایک طلاق سمجھی جاتی تھی حضرت عمر نے اُسکو نافذ فرمایا - اس حدیث کو مسلم اور بخاری نے روایت کیا ہے - ابن اسحاق عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس نے فرمایا کہ رکانہ ابن عبد یزید نے اپنی بی بی کو تین طلاقیں دیں اور اسکے بعد وہ اپنی اس حرکت پر نہایت غمگین اور پشیمان ہوا - آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے اُس سے پوچھا کہ تو نے کسطرح طلاق دی ہے اُس نے عرض کیا کہ ایک جلسہ میں تین طلاقیں دی ہیں آپ نے فرمایا کہ یہہ ایک طلاق ہے تو رجعت کرلے''

ہمارے ناظرین جب ان عبارتوں پر غور کرینگے جن کو ہمنے اوپر نقل کیا ہے اُن کو معلوم ہوگا کہ ابن حنبل جیسے عظیم الشان مذہب کے علماء نے حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر عمل نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے قرآن مجید کی آیتوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو اپنا دلیل راہ اور پیشرو ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ کا سبب بیان کیا ہے کہ وہ لوگ ایسے کام میں جلدی کرنے لگے ہیں جس میں ان کو آہستگی برتنی چاہیے تھی''، پس گویا کہ عمر نے ان کو روکنے کی غرض سے بطور سزا کے اس طلاق کو نافذ قرار دیا ہے اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوا مگر یہہ کہ عالم لوگ تین طلاقوں کے بک دینے کے عادی ہورہے ہیں اور اُس کو اپنی قسموں اور حلفوں اور عام بول چال مین استعمال کرنے لگے ہیں۔

جو لوگ اصلاح کے خواستگار ہیں وہ اس مسئلہ میں مذہب امامیہ کی پیروی کیوں نہیں کرتے جس کو ابن عابدین نے نقل کیا ہے حالانکہ یہہ ائمہ اہل بیت کا مذہب ہے جیسا کہ انکے اس قول میں اوپر بیان ہوچکا ہے کہ وہ تین طلاقوں سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور نہ حیض کی حالت میں واقع ہوتی ہے کیونکہ یہہ بدعت محرمہ ہے''

اگر ناظرین مجھکو اجازت دیں کہ میں اس مسئلہ میں اپنی رائے ظاہر کرون جسکو میں بالکل صحیح اور درست سمجھتا ہوں تو میں یہہ عرض کروں گا کہ میں ہرگز یہہ خیال نہیں کرسکتا کہ محض ایک لفظ کے زبان سے نکالنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے خواہ وہ کتنا ہی صریح ہو۔ بے شک شرعی اعمال کے لئے لفظوں کی ضرورت ہوتی ہے اسلئے کہ اگر ہم کسی عقد کو توڑنا چاہیں تو ہمکو معلوم ہوگا

کہ وہ ایک ارادہ کے ظاہر ہونے یا دو ارادون کے باہم مطابق ہونے سے مرکب ہے جس پر یا جنہیں ایسے الفاظ سے استدلال کیا گیا ہے جو منُھہ ورمنُھہ یا کتابت کے ذریعہ سے ادا کیے گئے ہیں۔ لہذا میری یہ غرض نہیں ہے کہ الفاظ سے قطعًا استغنا ہے بلکہ میری غرض یہہ ہے کہ شرعی اعمال میں لفظون کی طرف التفات صرف اس حیثیت سے کیا جاتا ہے کہ وہ نیت پر دلالت کرتے ہین۔

اِس سے بداہتہً یہہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس امر کا یقین کرنا ضروری ہے کہ طلاق ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ سے قید نکاح کے اُٹھا دینے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اور اِس سے حتمی طور پر یہہ بات لازم آتی ہے کہ شوہر حقیقتًا اس بات کی نیت رکھتا ہو اور اُس کا صاف صاف ارادہ ہو کہ وہ اپنی بی بی کو علیحدہ کرنا چاہتا ہے۔ نہ یہہ کہ جو فقہا نے خیال کیا ہے جسکی اُنہون نے اپنی کتابون مین تصریح کی ہے کہ طلاق نام ہے حروف (ط ل ا ق) کے زبان سے نکال لینے کا۔

جو شخص فقہا کی کتابون کا مطالعہ کرتا ہے تو اُس کو سخت حیرت ہوتی ہے جبکہ وہ ان کو الفاظ کی تاویل اور اولٹ پلٹ کرتے اور اشخاص سے قطع نظر کر کے محض بذاتہ الفاظ کے معانی کے سمجھنے میں غایت درجہ کی نازک خیالی کا اظہار کرتے دیکھتا ہے فقہا کے نزدیک مسلم ہے کہ جسوقت کوئی لفظ زبان سے نکلا تو فورًا اُس پر شرعی اثر ہوگا یہی وجہ ہے کہ اُنکی تمام بحثیں کلمات اور حروف پر محدود ہیں اور اُنکی کتابیں " طلقتك وانت طالق وانت مطلقة وعلی الطلاق وطلقت ر حلك اور أسك او عرقك" وغیرہ وغیرہ کے معانی کی تحقیق سے لبریز ہیں اور یہہ اہم مسئلہ صرف لفظی اور ترکیبی بحث کا مسئلہ بن گیا ہے جو شاید لغت یا نحو کے لیئے کچھ مفید ہو لیکن وہ علم فقہ میں قطعًا کسی قسم کا فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔

ہم یقین کرتے ہیں کہ علوم شرائع میں تاویل الفاظ کے علاوہ دیگر مباحث کی بھی گنجایش
ہے اور طلاق فی نفسہ ایک ایسا شرعی عمل ہے جس سے بہت سے حقوق متروک اور بہت
سے جدید حقوق پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ فی حد ذاتہ بلحاظ اہمیت کے نکاح سے کسیطرح
کم نہیں ہے اسلئے کہ تمدن کے بڑے بڑے معاملات جیسے نسب، میراث، نفقہ، اور نکاح
اُسکے ساتھ تعلق رکھتے ہیں پس اُسکی طرف سے اسقدر لاپروائی برتنا درحقیقت ایک ایسا امر
ہے جسکو دیکھکر وہ تمام لوگ حیران ہونگے جو ان فرائض سے کسی قدر سطحی اور سرسری واقفیت
بھی رکھتے ہیں جو شریعتیں دنیا میں ادا کرتی ہیں۔

اگر ہمارے فقہا لفظی بحثوں میں نہ پڑتے اور جو احکام وہ مقرر کرتے ہیں اُنکے ماخذ کی
نسبت بحث کرتے اور اُنکے تاریخ اور اسباب میں غور و خوض کرتے اور مختلف مذاہب کا ایک
دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرکے ان پر نکتہ چینی کرتے غرضکہ وہ اصلی علم فقہ میں مشغول
ہوتے تو اُنکو معلوم ہو جاتا کہ طلاق ہرگز طلاق نہیں ہوسکتی جب تک کہ اُسکے ساتھ انفصال کی نیت نہو۔
جو شخص اسلامی شریعت کی کتابوں پر نظر ڈالیگا تو یقیناً بعض اس قسم کی رائیں بھی اُس کی نظر
سے گذرینگی کہ طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک کہ اُس کے ساتھ انفصال کی نیت نہو شرح
التلقین سے نقل کیا گیا ہے کہ "وہ اگر کوئی مرد اپنی بی بی کو غصے یا نزاع کی حالت میں ایک
کلمہ یا چند کلمات کے ساتھ طلاق دے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوتی" اور اس بارہ میں اُنھوں
نے بہت سی احادیث روایت کی ہیں منجملہ اُنکے حضرت علی کا یہہ قول ہے کہ "جو شخص
غصے یا جھگڑے کی طلاق کی وجہ سے شوہر اور اُس کی بی بی کے درمیان تفریق کریگا تو خدا
قیامت کے دن اُسکے اور اُس کے دوستوں کے درمیان جدائی ڈالیگا"
جس شخص نے یہہ قول نقل کیا ہے اگرچہ اُس نے اس کی تردید اور ابطال میں بے حد

کوشش کی اور بہت ہی زور لگایا ہے لیکن جو اصلاح کے خواستگار ہیں اُنکو چاہیئے کہ شریعت کی کتابوں کی ورق گردانی کریں اور مختلف فقہائی آرا پر اطلاع حاصل کریں اور خصوصًا ان راہوں کو اخذ کریں جن سے اُس عظیم الشان فساد کا محو ہونا ممکن ہو جو بالعموم قوم کے لئے نقصان دہ اور مضرت رسان ثابت ہو رہا ہے۔

ہم ایسے زمانہ میں ہیں جبکہ لوگ طلاق کے الفاظ کو بطور ہذیان اور یاوہ گوئی کے بولنے کے عادی ہو رہے ہیں۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ ایک شخص دوسرے سے جھگڑا کرتا ہے اور اُس سے کہتا ہے کہ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میری بی بی پر طلاق ہے اور وہ اُسکے خلاف کرتا ہے اس صورت مین علمار کی طرف سے یہہ فتوی ملتا ہے کہ طلاق واقع ہو گئی اور زناشوئی کا تعلق منقطع ہو گیا۔ حالانکہ اُس کی بی بی غریب کو اس واقعہ کی خبر بھی نہین ہوئی وہ نہ اپنے شوہر سے بغض و نفرت رکھتی ہے اور نہ وہ اُس سے جدائی کی خواستگار ہوتی ہے بلکہ اکثر اوقات اُس کے لئے یہہ جدائی سخت ناقابل برداشت مصیبت ہوتی ہے۔ اسیطرح مرد بھی اکثر اوقات اپنی بی بی کے ساتھ محبت کرنیوالا ہوتا ہے جب اور ایک ایسے لفظ کی وجہ سے جو انفصال کی نیت سے نہیں بولا گیا تھا بلکہ دوسرے شخص پر ایک کام لازم کر دینے کی نیت سے کہا گیا تھا وہ اُس سے جدا ہو جاتی ہے تو وہ سخت رنج و عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شوہر بعض خانگی اُمور میں اپنی بی بی سے جھگڑا کرتا ہے اور غصہ کے وقت لفظ طلاق اُس کی زبان سے نکل جاتا ہے جس سے صرف تہدید اور تخویف مقصود ہوتی ہے اور رشتہ زناشوئی کا منقطع کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں بھی یہی فتوی ملتا ہے کہ طلاق واقع ہو گئی اور اس کے بعد ان دونوں پر وہ تمام بلائیں اور مصیبتین

نازل ہوتی ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا۔

اکثر ایسا دیکھا جاتا ہے کہ ایک گنوار کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور جب قانون کا مقدم یا پولیس کا مہتمم اسٹیشن اُس سے دریافت کرتا ہے تو وہ انکار کرتا ہے اور طلاق کی قسم کھاتا ہے کہ میں نے نہیں چُرایا حالانکہ اُس نے چرایا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کہا جاتا ہے کہ طلاق واقع ہو گئی حالانکہ اس قسم سے وہ صرف اپنے آپ کو بری کرنا چاہتا ہے اِسکے سوا اور کوئی اُس کی نیت نہیں ہوتی اور اس حلف کے وقت اُس کے دل میں خطرہ بھی نہ گزرا تھا کہ وہ اپنی بی بی سے ناراض ہے اور اُس کے ساتھ معاشرت کرنا ناپسند کرتا ہے

پس ایسی حالت میں جبکہ عام طور پر اخلاق فاسد ہو گئے ہیں اور عقلوں میں ضعف اور فتور پیدا ہو گیا ہے کیونکر مناسب نہ ہوگا کہ بعض ائمہ کے اس قول پر عملدرآمد کیا جاوے کہ طلاق کے واسطے بھی دو آدمیوں کی گواہی شرط ہے جسطرح کہ وہ نکاح کے لئے شرط ہے جیسا کہ طبرسی نے بیان کیا ہے اور جیسا کہ اُس آیت سے معلوم ہوتا ہے جو سورہ طلاق میں آئی ہے جس کے اخیر میں یہہ الفاظ ہیں ” واشهدوا ذوی عدل منکم “۔

کیا یہہ شہادت کا صریح حکم نہیں ہے جو ان تمام امور کو مثلاً طلاق، رجعۃ، امساک اور فراق کو شامل ہے جو اُس سے پہلے مذکور ہوئے ہیں کیا شارع کا یہہ منشاء نہیں کہ طلاق کا واقعہ عام لوگوں میں مشہور ہونا چاہیئے تاکہ اُس کا ثابت کرنا آسان ہو؟ ہم کس لئے یہہ بات قرار نہ دیں کہ طلاق کے وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے جس کے بغیر طلاق صحیح نہ ہوگی۔ اس طریقہ سے اُن تمام طلاقوں کا سدباب ہو جائیگا جو بلاقصد و بلاارادہ محض غصہ کے وقت ایک کلمہ کے زبان سے نکلنے کے باعث واقع ہو جاتی ہیں۔

مجھکو یقین ہے کہ اس حکم پر عملدرآمد کرنا درحقیقت قرآن کے حکم کی موافقت اور قوم کی مصلحت

کی رعایت ہے بے شک خداوند تعالی کو معلوم تھا کہ اس زمانہ میں اُمت اِس نوبت کو پہونچ جائیگی اُس نے یہہ آیت نازل فرمائی تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے۔ اور بے شک ہماری حالت ایسی ہے کہ ہم کو اس آیت سے کام لینا چاہیئے۔

بلکہ اگر گورنمنٹ یہہ چاہتی ہے کہ قوم کے لئے کوئی بہتری کا سامان مہیا کرے تو اُس کا فرض ہے کہ وہ طلاق کے لئے حسب ذیل قانون نافذ کردے۔

دفعہ اوّل

جو شوہر اپنی بی بی کو طلاق دینا چاہتا ہو اُس کا فرض ہے کہ وہ قاضی یا اُس کے ایجنٹ کے حضور میں حاضر ہو اور وہ جھگڑا بیان کرے جو اُسکے اور اسکی بی بی کے درمیان واقع ہوا ہے

دفعہ دوم

قاضی یا اُسکے ایجنٹ کو لازم ہے کہ وہ شوہر کو اُن اُمور کی ہدایت کرے جو قرآن اور حدیث میں وارد ہوئے ہیں کہ طلاق خدا کے نزدیک سخت ناپسند ہے۔ اور طلاق کے ناگوار نتائج کو بیان کرکے جو آیندہ پیش آنے والے ہیں اُسکو نصیحت کرے اور اُسکو حکم دی کہ وہ اِس بارہ میں ایک ہفتہ غور و فکر کرلے۔

دفعہ سوم

اگر شوہر ایک ہفتہ گذرنے کے بعد بھی طلاق دینے کے ارادہ پر قایم رہے تو قاضی یا اُسکے ایجنٹ کو لازم ہے کہ ایک پنچ بی بی کے کنبے سے اور ایک شوہر کے کنبے سے یا دو معتبر اجنبی شخص

(اگر اُن کے عزیز و قریب نہوں) اس غرض سے بھیجے تاکہ وہ بی بی اور شوہر کے مابین صلح کرادیں۔

دفعہ چہارم

اگر پنچوں کو بھی صلح کرا دینے میں کامیابی نہ ہو تو اُنکو لازم ہے کہ وہ اپنا بیان قاضی یا اُسکے ایجنٹ کے روبرو پیش کریں اور اُسوقت شوہر کو قاضی طلاق دینے کی اجازت دیگا۔

دفعہ پنجم

کوئی طلاق صحیح نہوگی جب تک کہ وہ قاضی یا اُسکے ایجنٹ کے روبرو اور دو گواہوں کی موجودگی میں نہ دیجائے۔ اور معمولی دستاویز کے بغیر اُس کا ثبوت نہیں قبول کیا جاویگا۔

جو شخص ان آیتوں پر جو شاہد اور پنچ مقرر کرنے کی نسبت وارد ہوئی ہیں غور کریگا اُسکو معلوم ہو جاوے گا کہ ایسا قانون جیسا کہ یہ ہے شریعت کی مصلحتوں پر پوری طرح منطبق ہے اور کسی طرح اُسکے خلاف نہیں ہے۔ اس قانون پر کوئی شخص یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ ایسا قانون شوہر کے اُس حق میں دست اندازی کرتا ہے جو اُسکو طلاق دینے کا حاصل ہے۔ کیونکہ شوہر کے لئے اب بھی طلاق کا حق بدستور باقی ہے۔ اور نکاح کے تعلق کا باقی رکھنا یا اُسکو توڑ دینا صرف اُسکی مرضی پر منحصر ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ امر ہے کہ طلاق سے پیشتر تحکیم اور نصیحت کی شرط لگادی ہے جس سے شوہر کے حقوق پر کسی قسم کی دست اندازی نہیں ہوتی بلکہ وہ غور و فکر کا ایک ذریعہ ہے جو بی بی اور اُس کے بچوں بلکہ خود شوہر کی مصلحت کیلئے قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ ہم نے اکثر شوہروں کو دیکھا ہے کہ وہ بلا سمجھے بوجھے طلاق دے کر پچھتاتے اور پھر نہایت کمینہ اور دنی حیلوں کے استعمال کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ہمارے علماء اور فقہا خیال فرما سکتے ہیں کہ اس سیدھے سادے طریقہ سے قوم کو بہت بڑا فائدہ حاصل ہوگا وہ یہہ ہے کہ طلاق کی تعداد کم ہو جاویگی۔ اِسکے علاوہ حکم آلٰہی کا اتباع اور تحکیم کے نہایت اہم حکم کا عملدرآمد ہوگا جو اسوقت تک معطل رہا ہے اور جس کا نافذ ہونا کبھی نہیں سنا گیا۔ خصوصاً ہماری قوم میں جس کی افراد کے اخلاق یہان تک فاسد ہو گئے ہیں کہ مرد طلاق کی قسم کھالیتا ہے حالانکہ وہ کہاتا پیتا، چلتا پھرتا، ہنستا بولتا اور جھگڑا کرتا اور حالانکہ اُس کی بی بی غریب گھر کی چاردیواری میں بیٹھی ہوتی ہے اُس بے خبر کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ اُس کے شوہر کو دوسرے شخص کے ساتھہ کیا معاملہ پیش آیا۔

شہر قاہرہ کے گذشتہ اٹھارہ سال کی طلاق کی اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷۵ فیصدی عورتوں کو طلاق دی جاتی ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سنہ	نکاح	طلاق
۱۲۹۸	۱۳۶۰۱	۶۹۰۲
۱۲۹۹	۴۹۰۰	۴۱۵۱
۱۳۰۰	۴۳۵۰	۴۶۴۸
۱۳۰۱	۳۴۰۰	۴۰۰۰
۱۳۰۲	۴۷۰۰	۵۲۵۰
۱۳۰۳	۴۷۴۹	۵۵۰۰
۱۳۰۴	۴۸۵۰	۴۶۹۸
۱۳۰۵	۴۷۴۹	۵۳۵۰

سنہ	نکاح	طلاق
۱۳۰۶	۵۰۰۰	۵۸۵۰
۱۳۰۷	۵۷۰۰	۴۷۰۰
۱۳۰۸	۶۶۵۰	۵۹۰۰
۱۳۰۹	۶۹۰۰	۵۵۴۸
۱۳۱۰	۷۱۰۰	۵۸۴۷
۱۳۱۱	۷۴۰۰	۵۲۸۱
۱۳۱۲	۸۲۵۰	۴۶۵۰
۱۳۱۳	۱۴۲۵۰	۴۶۰۰
۱۳۱۴	۸۱۵۰	۴۳۰۰
۱۳۱۵	۸۱۴۸	۴۰۰۰

میں اس مقام پر نکاح اور طلاق کے ایک دوسرے اعداد نقل کرتا ہوں جو سنہ ۱۸۹۸ء میں تمام ممالک مصر کے نکاح و طلاق کی تعداد کو ظاہر کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

سنہ	نکاح	طلاق
۱۸۹۸	۱۲۰۰۰۰	۳۳۰۰۰

ان اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ فیصدی ۲۵ عورتوں کو طلاق دیجاتی ہے اور ۷۵ باقی رہتی ہیں۔ یہہ نتیجہ اگرچہ پہلے نتیجہ سے اچھا ہے جسکا سبب یہہ ہے کہ اس میں زیادہ تر دیہات کے لوگ شامل ہیں جو شہریوں کی طرح طلاق دینے کے عادی نہیں ہوتے مگر تاہم یہہ دونوں اعداد اس امر کی قوی دلیل ہیں کہ ہماری قوم کے خاندانوں کا حال نہایت کمزور

اور مضمحل ہو رہا ہے اور انکی عمارت کسقدر جلد منہدم ہو جاتی ہے۔

اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ جب عورت تعلیم و تربیت حاصل کر کے اپنے حقوق سے واقف ہو جاویگی تو وہ ہرگز اس بات کو منظور نہ کرے گی کہ اُسکے ساتھ سختی اور درشتی یا توہین اور تحقیر کے ساتھ برتاؤ کیا جاوے جسطرح کہ جاہل ہونے کی حالت میں کیا جاتا ہے۔ اور اسوقت مردوں کو بھی خود بخود اس بات کا شعور پیدا ہو جائیگا کہ طلاق کا اختیار جو خدا نے اُن کے ہاتھ میں سپرد کیا ہے اُسکو سوا ے ایسی سخت ضرورت کے جس کے لئے طلاق جائز قرار دی گئی ہے استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔ پس عورتوں کی تعلیم و تربیت بھی ایک ایسا امر ہے جو ہمارے اخلاق کی اصلاح اور ہماری زبانوں کی تادیب مین معاون ہوگا۔ کیونکہ مرد جاہل عورت کی توہین و تحقیر کرتا ہے لیکن جب وہ کسی عورت کو عقیل و فہیم اور صاحب اخلاق حمیدہ پاتا ہے تو برخلاف اپنے ارادہ کے اُسکی تعظیم و تکریم کرنے اور اُسکے روبرو اپنی زبان کو لگام دینے پر مجبور ہوتا ہے اور اُسکے تمام حقوق ادا کرتا ہے۔

لیکن ہمکو مناسب نہیں کہ ہم اُس زمانہ کے منتظر رہیں جب کہ ہماری قوم کی عورتیں تربیت پاکر تہذیب اور شایستگی کے اُس درجہ پر پہونچ جائیں کہ مردوں کے دل اُنکی تعظیم اور احترام سے لبریز ہو جائیں۔ بلکہ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ ایسے وسائل میں غور و خوض کرتا رہے جن سے طلاق کے نقصانات میں کمی ہو یہاں تک کہ وہ مقصود حاصل ہو جائے جو تمام مقاصد کا اصل اصول ہے کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ مذاہب اسلامیہ مین بحیثیت مجموعی ایسے احکام موجود ہیں جنکی رعایت کرنا ہماری بہبودی اور ترقی کا ذریعہ ہو سکتا ہے اور کم از کم مفاسد سے حفاظت ہو سکتی ہے۔ غرضکہ اِنکے ذریعہ سے نظام خاندان کی تکمیل ہوگی اور عورت

نہایت راحت اور اطمینان کے ساتھہ زندگی بسر کریگی اور اسکو ہر وقت اپنے و نیز سے جو اسکو خاندان میں حاصل ہے گر جانے کا خطرہ نہ رہیگا۔

لیکن ہمکو اس بات پر غور کرنا بھی ضروری ہے کہ ہم طلاق کے دائرہ کو کتنا ہی تنگ کر دیں لیکن یہہ ممکن نہیں کہ عورت کو وہ عزت اور احترام حاصل ہو سکے جسکی وہ مستحق ہے بلکہ یہ تو اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ عورت کو بھی طلاق کا اختیار دیا جاوے۔ اور خوش قسمتی سے ہماری شریعت ان تمام امور کی مانع نہیں ہے جو ہم عورتوں کی ترقی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ عورت کو طلاق کا اختیار دیا جانا دو طرح پر ہو سکتا ہے۔

اول یہ کہ حنفی مذہب کے سوا دوسرے مذہب کے مطابق عملدرآمد کیا جاوے۔ اسلئے کہ حنفی مذہب نے عورت کو ہر حالت میں طلاق کے اختیار سے محروم رکھا ہے۔ فقہا حنفیہ کا قول ہے کہ وہ چونکہ عورتیں ناقصات العقل اور ناقصات الدین ہیں اور ان پر ہوا و ہوس زیادہ تر مسلط ہے اس لئے طلاق کا حق انکو نہیں دیا گیا، حالانکہ یہہ اسباب جو فقہا نے بیان کئے ہیں باطل ہیں۔ اس لئے کہ عورتوں کی یہہ حالت اگر زمانہ گذشتہ میں تھی تو یہہ کیا ضرور ہے کہ آئندہ میں بھی یہی صورت بدستور باقی رہے اور نیز اس لئے کہ اکثر مرد عقل اور دین کے نقصان اور ہوا و ہوس کے تسلط کے لحاظ سے عورتوں سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ اسکی دلیل یہہ ہے کہ ہیں نے فرانس کی اعداد طلاق میں دیکھا ہے کہ سنہ ۱۸۹۵ء میں فرانسیسی محکمون نے ۹۰۸۵ مقدمات طلاق کی نسبت فیصلہ صادر کیا منجملہ انکے تقریباً ... مقدمات میں عورتوں کو ڈگری دیگئی کیونکہ ان مقدمات میں یہہ بات ان عدالتوں کو ثابت ہو گئی کہ مردوں کا قصور ہے۔

یہہ کسی طرح ممکن نہیں کہ کوئی عادل شریعت جیسی کہ ہماری شریعت ہے عورت کو اُن تمام وسائل سے محروم رکھے جنکے ذریعہ سے وہ ایسے شوہر کے پنجہ سے نجات حاصل کر سکے جس کے ساتھ وہ زندگی

بسر نہیں کر سکتی مثلاً وہ شریر، فاسق، بدکار اور ناہنجار ہے یا جرائم پیشہ یا دیگر رذیل اور بیہودہ صفات کے ساتھ متصف ہے جسکے ساتھ کوئی پارسا اور صاحب ذوق سلیم عورت معاشرت نہیں کر سکتی

مالکی مذہب نے عورت کو بھی طلاق کا حق عطا کیا ہے اور قرار دیا ہے کہ اگر اُسکو مرد کی طرف سے کسی قسم کا ضرر پہونچے تو اُس کو اختیار ہے کہ وہ اپنا معاملہ قاضی کے روبرو پیش کرے۔

کتاب البہجہ فی شرح التحفہ جو ابوالحسن التسولی کی تصنیف ہے اُس میں لکھا ہے کہ "جو زوجہ نکاح میں ہے اگر ثابت ہو جائے کہ اُسکو اُس کے شوہر نے اُن وجوہ سے نقصان پہونچایا جو اوپر گذر چکی ہیں حالانکہ نکاح کے وقت نقصان پہونچانے کی شرط نہیں ٹھیری تھی مثلاً یہہ کہ اُسکو مارا تو ایسی حالتوں میں اختیار عورت کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور حاکم کے نزدیک نقصان کے ثابت ہو جانے کے بعد عورت کو کہا جائیگا کہ وہ اپنے نفس کو طلاق دے لے۔ اور یہہ طلاق واقع ہو جائیگی اور شوہر کی اجازت پر موقوف نہ رہیگی۔ اور کہا گیا ہے کہ جسوقت طلاق کی شرط بھی نہ ٹھیری ہو اُسوقت بھی عورت کو اُسکے واقع کردینے کا اختیار ہے مگر اس معاملہ کو حاکم کے روبرو پیش کرنیکے بعد اور نیز اس امر کے بعد کہ قاضی شوہر کو مناسب تنبیہہ کرے مثلاً مارے یا قید کرے اور شوہر اُسکو نقصان پہونچانے سے باز نہ آئے حاکم کے روبرو معاملہ پیش کرنے اور حاکم کے شوہر کو تنبیہہ کرنے سے پیشتر عورت کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس کو طلاق دے بعض علماء کا قول ہے کہ طلاق حاکم کے اختیار میں ہے اگر زوجہ اس امر کی خواستگار ہو اور شوہر نہ مانتا ہو تو ایسی حالت میں حاکم کو اختیار ہے کہ وہ خود اُس کو واقع کرے یا عورت کو حکم دے کہ وہ اپنے نفس کو طلاق دے لے اور جسوقت وہ عورت کو طلاق دینے کا حکم دیگا تو درحقیقت عورت اُسی کے طرف سے نائب ہوگی جس طرح کہ وہ شوہر کیطرف سے شرعاً نائب ہے جبکہ وہ طلاق دینے سے انکار کرتا ہے۔ ابو زید فی ابن القاسم سے روایت کیا ہے کہ عورت کو بغیر حکم امام کے طلاق دے لینے کا اختیار ہے بعض معتبر علما کہتے ہیں کہ پہلا قول اصح ہے"

دوسرا یہ طریقہ ہے کہ حنفی مذہب کے مطابق عملدرآمد بدستور جاری رہے مگر ہر ایک نکاح میں یہہ شرط کر لیجاوے کہ عورت کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا جسوقت وہ چاہے یا کسی شرط کے ساتھہ اور یہہ شرط تمام مذہبوں میں مقبول ہے۔

یہ طریقہ بعض وجوہ سے پہلے طریقہ کی بہ نسبت افضل ہے کیونکہ بعض حقیقی نقصانات جن سے بچنے کے لئے تمام عورتیں حتی الوسع کوشش کرتی ہیں ایسے ہیں جنکی وجہ سے قاضی انکو مالکی مذہب کے مطابق طلاق دے لینے کا اختیار نہ دے گا۔ مثلاً مرد نے دوسری عورت سے نکاح کر لیا اور پہلی بی بی بھی اُسکے نکاح میں بدستور موجود ہے۔ ایسی حالت میں اگر پہلی بی بی قاضی کے روبرو شکایت کرے گی اور طلاق کی خواستگار ہوگی تو قاضی کو جائز نہ ہوگا کہ وہ اُس کو ڈگری دی پس اگر یہہ شرط کر لیجاوے کہ عورت جب چاہے طلاق دے لے یا جب شوہر دوسرا نکاح کر لے تو عورت طلاق دے لے ایسی شرطوں کی صورت میں عورت کو اختیار ہوگا لیکن پہلے طریقہ کے مطابق عمل کرنا زیادہ تر مناسب ہے کیونکہ طلاق کو قاضی کے اختیار میں رکھنا یقیناً طلاق کے دائرہ کو تنگ کرنے والا ثابت ہوگا۔

چونکہ طلاق کا حق عورتونکو عطا کرنا ایک ایسی بات ہے جو عدالت اور انسانیت کے اقتضا کے مطابق ہے کیونکہ مردون کی ایک جماعت کثیر کی طرف سے جو حقیقۃ انسانی خصائل سے محروم ہیں سخت ظلم و ستم اُن پر واقع ہوتے ہیں اسلئے مجھکو قوی اُمید ہے کہ میری یہ کمزور آواز میرے ہم وطنون کی ہمت کو اس امر کی طرف برانگیختہ کریگی کہ وہ ان کمزور اور مظلوم اور صبر کرنیوالیون کی دستگیری کرنے پر آمادہ ہوں۔

بانجہ تمت

اشتہار چھپائی مطبع مفید عام آگرہ

خدا کے فضل و کرم سے اس مطبع مین ہر قسم اور ہر زبان کی کتابین اُردو ہندی۔ فارسی عربی نہایت خوشخط صاف صحیح و عمدہ جلد ارزان نرخ پر عمدہ سیاہی مصالح سے لیتھو مین طبع ہوتی ہین۔ عدالتون و محکمہ بندوبست اور چنگی وغیرہ کے جملہ کاغذات بھی چھپتے ہین یہ نامی مطبع پینتیس برس سے اپنے فرائض منصبی کو نہایت ایمانداری اور خوش معاملگی سے ادا کر رہا ہے اور اس کی شہرت و نیکنامی روز افزون ہے اور اس مطبع مین کتب بہ نسبت اور مطابع کے بہت خوشخط و صاف و عمدہ چھاپی جاتی ہین جن صاحبون کو کچھ چھپوانا ہو اُن کو کیفیت نرخ وغیرہ کی خط و کتابت سے معلوم ہو سکتی ہے نمونہ کیلئے ہمارے مطبع کی چھپی ہوئی کتابین کافی و وافی ہین فقط

المشتہر

محمد قادر علی خان صوفی مالک و مہتمم مطبع مفید عام آگرہ